میں اب بھی یہی بات کہتا ہوں کہ جو باتیں لکھ دی جاتی ہیں وہ اپنی عصمت کھو دیتی ہیں۔ اور اسی لئے میں تمھارے متعلق لکھ رہا ہوں۔ تمھارے متعلق بھی اور اپنے متعلق بھی۔ اس لئے کہ یہ باتیں اب میرے لئے ایسا بوجھ بن گئی ہیں کہ میں انھیں اٹھا نہیں سکتا۔ اس لئے کہ یہ جن جذبوں کا اظہار ہیں میں ان کی سربازار تذلیل کرنا چاہتا ہوں۔ انھیں سرعام رسوا دیکھنا چاہتا ہوں۔

تم جانتی ہو ثروت سلطانہ کہ میں اچھا داستان گو نہیں ہوں۔ مجھے کہانی سنانے کا وہ ڈھنگ نہیں آتا جس میں واقعات اسی تسلسل سے بیان کئے جاتے ہیں جس طرح وہ ہوئے ہوں۔ میرے یہاں ہمیشہ جذبات زیادہ اہمیت پاتے ہیں۔ اور جو کچھ گنی چنی کہانیاں میں نے لکھی ہیں ان میں شاعری کی سی جذباتی شدّت تو ہے لیکن وہ کہانی پن نہیں جو پڑھنے والوں کو اس تجسّس کا شکار بناتا ہے کہ اب کیا ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ یہ کہانی میرے اُن تصوّراتی خاکوں سے مختلف ہے۔ یہ میری اپنی زندگی کی کہانی ہے اور اس کے بیشمار واقعات کو میں نے اپنے قدموں کے نشانوں سے بنایا ہے۔ لیکن جب میں پیچھے مڑکر دیکھتا ہوں تو ایک دم بہت سے جذبے اور احساسات تیز ہواؤں کی طرح چاروں طرف سے مجھ پر یلغار شروع کر دیتے ہیں۔ پھر ترتیب میرے بس کی بات نہیں رہتی ـــــ یادیں مجھے گھیر لیتی ہیں۔ پہلے مجھے دیکھو ـــــ ہر منظر کہتا ہے۔

یہ کہانی لکھتے ہوئے ایک اور دشواری میرے سامنے ہے۔ میں یہ کہانی شروع سے لکھوں گا اور پوری لکھوں گا۔ لیکن مجھے اس کا انجام معلوم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آخری صفحوں پر پہنچنے تک مجھ پر کیا گزرے گی اور یہ کہانی ختم ہوتے ہوتے میرے پاس کیا چھوڑ جائے گی۔ اسلئے یہ ضروری ہے کہ میں نہ صرف اس کہانی کے واضح حدود بنالوں۔ بلکہ یہ بھی طے کر لوں کہ میرا اس کہانی کیساتھ رویہ کیا رہیگا۔ جو کچھ ہوا ہے وہ کیوں ہوا ہے اور اس سلسلہ میں میرا ردّ عمل کیا حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کہانی صرف تمھاری نہیں ہے ثروت ـــ یہ میری بھی ہے۔ شاید صرف میری ہے۔

تم تو صرف اسٹیج پر سے گزر گئیں اور گزرتے گزرتے تم نے میرے ہاتھ تھامے اور اپنے مکالمے بولے۔ لیکن میں ۔۔ میں جو اکیلا ہوں یہاں کھڑا ہوں اور میرے سامنے حاضرین ہیں ۔۔۔ میں اُن سے کیا کہوں گا ۔۔ ؟

میں یہ کہانی کیسے شروع کروں ۔ ؟

مجھے یاد نہیں میں نے تمھیں بتایا تھا یا نہیں مگر میں سلیم سے ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ مجھے بتاؤ اگر کوئی شخص کسی نظریئے پر بری طرح یقین رکھتا ہو اور اسکی سچائی کو اپنی زندگی کے معنی بنا چکا ہو اور کافی عرصہ بعد اُسے یہ معلوم ہو کہ جن باتوں پر اس کا اعتقاد تھا وہ جھوٹی ہیں تو وہ کیا کرے گا ۔ ؟

یہ سوال ہمیشہ سے مجھے تنگ کرتا رہا ہے۔ اس وقت سے جب میں خود اس کے شکنجے سے باہر تھا۔ میں سوچا کرتا تھا کہ اگر کوئی اپنی تقریباً پوری زندگی کسی مقصد کے حصول کیلئے وقف کردے۔ اپنی ساری عزیز چیزیں قربان کردے۔ اپنا سب کچھ کھودے۔ اور پھر آخر میں اس پر یہ راز کھلے کہ سب فریب تھا تو وہ کیا محسوس کرے گا۔ کس طرح اپنی شکست سے مصالحہ کریگا؟ میں چاہتا تھا کہ اس کشمکش پر کوئی ڈرامہ یا بھرپور افسانہ لکھا جائے۔ میں نے سلیم سے کہا تھا کہ فرض کرو ہم کسی پیغمبر کو اس کا مرکزی کردار بنائیں۔ وہ اسی طرح غریب اور ایمان دار والدین کا بیٹا ہو جس طرح پیغمبر ہوا کرتے تھے۔ وہ اسی طرح مافوق الفطرت خصائل رکھتا ہو۔ وہ اسی طرح مثالی زندگی گزارے اور خاص عمر کے بعد اُسے نبوت ملے۔ اس پر وحی اترے اور وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچائے۔ اسی طرح اُسے کانٹوں پر گھسیٹا جائے۔ اور اسی طرح وہ ہزار مظالم کے باوجود حق کے راستے سے نہ ہٹے حتیٰ کہ اس کے ماننے والوں میں اضافہ ہوجائے اور وہ اپنے مخالفین پر غالب آجائیں۔ وہ اپنی ایک سلطنت بنالیں اور نئے مذہب کے احکامات نافذ کردیں۔ اور تب ہمارے پیغمبر کو یہ اطلاع ملے کہ خدا تو دراصل کہیں نہیں تھا اور جن باتوں کی اس نے تبلیغ کی تھی وہ کسی شیطانی طاقت کا چٹکلہ تھیں تو وہ کیا کرے گا؟ خودکشی کرے گا۔

اپنے سارے ماننے والوں کو جمع کر کے ان سے کہدیگا کہ سب فریب تھا اور اب وہ آزاد ہیں۔ یا کسی کو یہ بات بتائے بغیر وہ مسلسل اپنا کام کئے جائیگا کہ جیسے واقعی خدا ہو۔؟ اُس کی اپنی ذہنی کیفیات کیا ہوں گی؟

اس موضوع سے کوئی یونانی المیہ ہی انصاف کر سکتا تھا۔ میں نے بہرحال کوئی ڈرامہ یا کہانی نہیں لکھی۔ میں نہیں جانتا کہ بدلی ہوئی شکل میں مجھے خود ایسی ہی ایک کہانی کا مرکزی کردار بننا پڑیگا اور حالانکہ میرے اندر کی ساری چھوٹی بڑی باتوں کا راز دار میرا سب سے اچھا دوست سلیم ہوا کرتا تھا۔ اس کہانی میں میرے عمل کو اس کا ذرا بھی سہارا نہ ملا۔

اسلئے کہ سلیم تمھارا بھائی ہے اور تم نے شروع سے یہ چاہا تھا کہ میں اُسے ہم دونوں کے بارے میں کچھ نہ بتاؤں۔ اس پابندی نے ان سوالوں کو میرے لئے بہت اہم بنا دیا تھا جو تمھاری محبت شروع سے کھڑے کر رہی تھی۔

میں کیا کروں ــــ؟ یہ ایک سوال ہے جو اپنے تئیں بظاہر بے ضرر لفظوں کے ساتھ ہر گھڑی میرا دامن تھامے رہا ہے۔ یہی سوال اب بھی میرے سامنے ہے اور مجھے ڈر ہے کہ یہ کہانی ختم ہو جائے گی۔ اور میں تھک کر چپ ہو جاؤں گا۔ تب بھی یہ سوال شرارت سے مسکراتے ہوئے میرے سامنے سینہ تانے کھڑا رہے گا۔

لیکن لوگ کہتے ہیں کہ کہانیاں سوالوں سے نہیں بنتیں۔ کہانیاں واقعات سے بنتی ہیں۔ سوال ذہن میں رہتے ہیں اور جذبات کے مہرے بدلتے ہیں۔ مگر واقعات کی رَو نکلنے والے سورج کی طرف سے ڈوبتے دن کی طرف بہتی رہتی ہے۔ وہ سب ہوتا رہتا ہے جس پر کبھی ایک فرد نے قابو نہیں پایا۔ وہ سب جس کے ہو چکنے کے بعد بھی اس پر یقین نہیں آتا۔

تم ملتی ہو ــــ تم چھوٹ جاتی ہو۔

یوں بظاہر یہ کتنی مختصر سی کہانی ہے۔ میں نے تمھیں دیکھا۔ تمھارے متعلق سوچا۔ تم سے محبت کی۔ تم سے ملاقات ہوئی۔ ہر بات ایک پورا عہد ہے۔ ایک دور ہے۔ وقت کا

ایک طویل وقفہ ہے۔ ناسمجھ مگر خوبصورت جذبات کی تصویروں کی ایک پوری نمائش گاہ ہے۔
ان سب کو سمیٹ کر مجھے تمہاری کہانی لکھنا ہے۔ تمہاری اور اپنی ـــــ ثروت سلطانہ اور اعظم سلطان کی۔ دو بہت چھوٹے بچّوں کی کہانی جنھوں نے ناسمجھی میں اپنے آپ کو زخمی کیا۔

مجھے یاد نہیں میں نے پہلی بار تمہارا نام کب سنا تھا۔ شاید میری بہن ساجدہ نے بتایا تھا کہ تم اپنے کالج کی بہت اچھی لڑکیوں میں سے ہو اور وہاں کی سرگرمیوں میں کافی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہو۔ اس نے بتایا تھا کہ تمہارا نام ثروت ہے اور تم سلیم کی بہن ہو۔ لیکن اس نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ تم بہت خوبصورت ہو اور تمھیں شعر کہنے کا بھی خبط ہے۔ پھر یہ باتیں اسی طرح ہوئی تھیں جس طرح دوسری بہت سی لڑکیوں کے بارے میں ہوتی ہیں۔ میں اور ساجدہ شروع سے ایک دوسرے کے اچھے دوست رہے ہیں وہ میرے ساتھیوں کے بارے میں اسی تفصیل سے جانتی رہی ہے جس طرح میں اسکی سہیلیوں سے واقف رہا ہوں۔ اور تم تو اس کی قریبی سہیلی بھی نہ تھیں۔ وہ تم سے سینیئر تھی۔ اور پھر تمھارے کالج مختلف تھے۔
سلیم سے برسوں کے تعلقات کے باوجود میں تمھارے متعلق زیادہ نہ جان پاتا تھا۔ بس اتنا معلوم تھا کہ سلیم کی تین چھوٹی بہنیں ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان میں جو بڑی ہے اس کا نام ثروت ہے اور پھر صفیہ اور محسنہ، اس سے زیادہ کچھ جاننے کی مجھے خواہش بھی نہ تھی۔ لڑکیوں سے میں ہمیشہ بہت الگ الگ رہا ہوں۔ اس اطلاع اور یقین کے باوجود کہ لڑکیاں مجھ میں تھوڑی بہت دلچسپی ضرور لیتی ہیں۔
مجھے وہ دن یاد ہے جب میں نے تمھیں پہلی بار دیکھا تھا۔ لیکن دو سال پہلے کی اس جولائی کی تاریخ مجھے بالکل یاد نہیں۔ میں اس سے پچھلی رات مسلسل تین دن تک ہاکس بے رہ کر واپس آیا تھا اور سلیم کے کمرے میں سلیم اور کمال مجھے میری قوت برداشت پر داد دے رہے تھے کہ میں نے فہیم جیسے شخص کے ساتھ جسے یونیورسٹی کا سب سے بڑا بور سمجھا جاتا تھا۔ تین دن اکیلے کیسے گزار لئے ـــــ اور پھر ساحل سمندر پر ـــــ میرے سر میں بہت ریت تھی۔ بیٹھے بیٹھے میں نے سلیم سے کہا میں نہاؤں گا۔ صبح شاید میرے اپنے گھر پانی کی قلت ہو گئی تھی اور اس دن نہانا بہت ضروری تھا۔ سلیم نے اندر پردہ کرایا اور پچھلے دروازے سے

مجھے غسلخانے پہنچا دیا اور وہاں سے غسلخانے کے دروازہ کے جنگلے سے میں نے تمھیں پہلی بار دیکھا۔

تم کسی برتن میں صحن کے نل سے پانی لے رہی تھیں۔ تمھیں یقیناً اس بات کا احساس تھا کہ جہاں میں ہوں وہاں سے تمھیں دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی لئے تمھارا دوپٹہ بڑے ڈھنگ سے تمھارے سر پر تھا اور تم نظریں نیچی کئے بہت سنبھل کر کھڑی ہوئی تھیں۔ لیکن میں نے تمھیں صرف اسلئے دیکھا تھا کہ تم نظر آ رہی تھیں پھر مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ تم ثروت ہو یا کوئی اور ___ اور یہ بھی میں تمھیں بتا دوں کہ تمھیں دیکھ کر میں زیادہ متاثر بھی نہ ہوا تھا۔

تم صرف چند لمحے وہاں رہیں اور جب میں سلیم کے کمرے میں واپس آیا تو میں یہ بھول چکا تھا کہ میں نے کسی کو دیکھا ہے۔

ان دنوں میں تمھارے گھر باقاعدگی سے جایا کرتا تھا۔ تقریباً ہر روز ہم ___ میں سلیم، کمال اور کبھی کبھی کمال کے بجائے ظرافت ___ میز پر پاؤں پھیلا کر بہت سنجیدہ موضوعات پر سنجیدگی سے بات کیا کرتے تھے۔ یہ وہ دن تھے جب ہم سب میں بے پناہ زندگی تھی۔ خود میں بہت پُر امید تھا۔ چھ سال ضائع کر چکنے کے بعد میں نے نئے سرے سے آرٹس پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ سلیم کا تعلق غیور کے ماہنامے سے بہت قریبی تھا اور اس میں میں نے کچھ اچھی چیزیں لکھی تھیں۔

ہم سب کو ___ خاص طور پر مجھے اور سلیم کو ___ اس بات کا بڑا خیال تھا کہ ہم پر بڑی بڑی ذمہ داریاں ہیں ہم ہر بات اپنے دل سے بہت قریب محسوس کرتے تھے۔ ہم جانتے تھے کہ ہم اپنے ماحول اور اپنی عمروں کے ٹکڑے میں شاید سب سے زیادہ باشعور ہیں۔ یونیورسٹی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہم نے سوائے کھیلوں کے ہر سرگرمی میں رہنمائی کی تھی۔ وہاں کے مختلف شعبوں کی تقریبات میں ہمیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر آگے بڑھایا جاتا تھا۔ لوگ سچ مچ ہمیں بہت پڑھا لکھا مانتے تھے۔

میرے دوستوں کے سارے حلقے کو مجھ سے بہت اُمیدیں تھیں۔ یہ بات باقاعدہ فرض کر لی گئی کہ میں بہت اچھا ادیب بن جاؤنگا۔ اور اگر میں نے ذرا سی بھی محنت کی تو آرٹس کے سارے امتحانوں میں مجھے پوزیشن ملے گی۔ ساتھ ساتھ میں بہت لاابالی اور لاپرواہ مشہور تھا۔ میری کاہلی اور بے نیازی کے بارے میں تم نے بھی سُنا ہوگا۔

تمھیں دوسری بار میں نے کافی دنوں بعد دیکھا مگر اس دوران میں کئی بار بیچا نے بغیر تمھاری آواز سنی یا دو لفظی جملوں میں تم سے بات کی۔ میں کبھی سلیم کو فون کرتا تو اکثر تم تینوں بہنوں میں سے کوئی ہوتا۔ مختصر گفتگو ہوتی — سلیم ہیں —؟ جی نہیں — کہاں گئے ہیں —؟ ذکی بھائی کے ساتھ کہیں گئے ہیں۔ جی اچھا — کہہ دیجئے گا اعظم کا فون آیا تھا۔ یا پھر — جی ہاں — ذرا بلا دیجئے۔

اس کے علاوہ سلیم کے کمرے میں بیٹھ کر اکثر تم لوگوں کی آواز سُنائی دیتی۔ امی کی آواز سب سے زیادہ آیا کرتی۔ کبھی سلیم کا فون آتا تو تم میں سے کوئی دروازے کے قریب آکر کہتا۔ بھائی جان۔ نسیم کا فون ہے — یا کسی اور کا — یا کوئی اور بات —

تمھیں دوسری بار میں نے اس دن دیکھا جس دن سلیم وعدہ کے مطابق گھر پر نہیں تھا اور یہ کہہ گیا تھا کہ میں آؤں تو کمرہ کھول دیا جائے۔ میں نے دروازے پر دستک دی تو تم نے برابر کے کمرے کے پردے سے ڈھکی کھڑکی میں سے پوچھا کہ میں کون ہوں اور پھر مجھے بتایا کہ سلیم مجھ سے انتظار کرنے کو کہہ گیا ہے۔

شاید تمھیں نے آکر دروازہ کھولا۔ ذرا سی دیر بعد 'آجایئے' کی آواز مجھے سنائی دی۔ میں سلیم کے کمرے میں بیٹھ گیا اور 'ٹائم' کا جو شمارہ میرے پاس تھا اسکے صفحے الٹتا رہا — تمھاری کوئی سہیلی تمھارے گھر آئی ہوئی تھی اور تم اسے صحن میں لے آئی تھیں اور اس سے زور زور سے باتیں کر رہی تھیں۔

یہ بات سمجھنا میرے لئے مشکل نہیں تھا کہ تم مجھ پر — افسانہ نگار اعظم پر رعب ڈالنا چاہ رہی ہو۔ میرے افسانے خواہ کیسے ہوتے ہوں اتنے رومانی اور اداس ضرور ہوتے ہیں کہ تم جیسی لڑکیاں گاہے گاہے میرے بارے میں سوچ لیا کریں۔ اور تمھیں تو لکھنے پڑھنے سے خاصا لگاؤ تھا۔

تم اپنی سہیلی سے کچھ اس قسم کی بات کہہ رہی تھیں کہ سوچو تو — یہ اتنی بڑی کائنات ہے اور اس کائنات میں یہ زمین ہے جو بہت چھوٹی ہے اور اس زمین پر بھی بہت سے ملک ہیں جن میں سے ایک پاکستان ہے — اور اس میں ایک شہر کراچی ہے — اور کراچی میں لاکھوں لوگ ہیں اور ان میں سے ایک تم ہو — آخر تمھاری حیثیت ہی کیا ہے — کتنی غیر اہم ہو تم —!

میں تمھارے سنبھل سنبھل کر، زور زور سے بولنے کے انداز پر اپنے آپ مسکرا دیا — یہ لڑکی — میں

نے سوچا ــــ یہ مجھے جتا رہی ہے کہ میں بہت عقلمند ہوں۔

اس تسلی کے باوجود کہ تم مجھ میں موہوم سی دلچسپی لے رہی ہو۔ میں کمرے میں اکیلے بیٹھ کر اکتا گیا۔ میں نے اپنا قلم میز کے شیشے پر بجایا۔ تم دروازے کے قریب آئیں۔ میں نے کہا ــــ" دیکھئے ــــ میں یہیں قریب ایک جگہ ہو آؤں ــــ جب تک شاید سلیم آجائے۔"

میں دروازہ کھول کر باہر آگیا اور کمال کی طرف جانے کے خیال سے سیدھا سڑک کی سمت چلا۔ سڑک پار کرنے سے پہلے مجھے ذرا رُکنا پڑا اور یونہی میں نے پیچھے دیکھا۔

تم دروازہ ذرا سا کھولے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ میرے مڑتے ہی تم نے دروازہ بند کر دیا۔

یہ سب چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ یوں۔ ان سے کہانیاں نہیں بنتیں۔ میں خود انھیں اہمیت نہیں دیتا اور پھر میں تو سرکتے پردوں اور جھریوں میں سے جھانکتی آنکھوں کا عادی تھا۔ پر میری انا کو ہلکا سا سرور ضرور محسوس ہوا اور مجھے یاد ہے کہ کمال کے گھر جاتے ہوئے میں نے تمھارے بارے میں بے دھیان ہو کر سوچا۔

کمال گھر پر نہیں تھا اور گو سلیم کا انتظار کرنے کا موڈ نہ تھا۔ مجھے اسے وہ "ٹائم" دینا تھا جو میں اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ میں دوبارہ تمھارے گھر گیا۔ میں نے اسی طرح دستک دی۔ تم کھڑکی پر آئیں اور میں نے تمھیں بتایا کہ تم رسالہ لے لو ــــ میں انتظار نہیں کروں گا۔

تم سلیم کے کمرے کے دروازے پر آئیں۔ تم نے پٹ ذرا سے کھولے۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر تمھیں رسالہ دے دیا۔ تم الگ کھڑی تھیں لیکن میں نے تمھیں دیکھا۔ تمھاری جھکی نظریں ــــ تمھارا خوب صورت چہرہ ــــ

مجھے تم اچھی لگیں۔

واپسی پر تمھارا چہرہ غیر ارادی طور پر ذہن میں دو تین بار آیا۔ یہ سوچ کر تسکین سی ہوئی کہ اتنی اچھی، با مذاق لڑکی چھپ کر مجھے دیکھتی ہے۔ مگر تم میرے دل کی سرحد سے اس دن بھی دور تھیں۔ تم سلیم کی بہن تھیں اور دوستوں کی بہنوں کا مجھ میں اتنی دلچسپی لینا کوئی چونکا دینے والی بات نہ تھی۔

اس کے بعد تمھیں کچھ اسی طرح ایک دوبارہ اور دیکھا۔ اب جب میں یہ کہانی لکھ رہا ہوں میرے

حافظے کے ہاتھ سے یاد کی کچھ ڈوریاں چھوٹ چکی ہیں۔ بہت سی باتیں میں بھولتا جا رہا ہوں۔ بھول چکا ہوں ـــ ہاں ـــ ایک بار تمھیں دیوانِ غالب اسی طرح دیا تھا۔ وہ دیوان تمھارا ہی تھا اور میں سلیم کے پاس سے اٹھا لایا تھا۔ بی اے میں نفسیات کے ساتھ اردو تمھارا مضمون تھا۔ اور تمھیں کورس کی کتاب کی حیثیت سے اس کی ضرورت تھی۔

اس دیوانِ غالب پر تمھارا نام (ثروت سلطانہ بی اے فائنل) دیکھ کر میرے دل میں تمھارے ہونے کا احساس خاصا بڑھ گیا تھا لیکن تمھارا دھیان وہیں تک تھا جہاں تک دوسری اچھے جسموں والی خوبصورت لڑکیوں کی پہنچ تھی۔ سلیم کی بہن ہونے کے سبب میں نے تمھیں اپنے کسی جاگتے خواب میں بھی جگہ نہ دی تھی اور تم جانتی ہو کہ یہ تصور تک مشکل تھا کہ تم سے محبت کی جا سکتی ہے۔ تم اپنے خاندان، اپنے ابا، گھر اور دوسری کئی باتوں کی وجہ سے میرے لئے ناقابلِ حصول تھیں۔

اور میرے لئے تم میں یہی سب سے بڑی کشش تھی۔ تمھاری شانِ نارسائی۔

یہ کہانی دراصل ـــ ستمبر ۱۹۵۹ء سے شروع ہوتی ہے۔ اس دن کراچی یونیورسٹی کی یونین کی افتتاحی تقریب تھی۔ اور ورائٹی پروگرام میں ایک ایکٹ کا وہ ڈرامہ بھی شامل تھا جسے میں نے ایک غیر ملکی کھیل سے اخذ کیا تھا۔ اس میں ہم سب مختلف حیثیتوں میں حصہ لے رہے تھے۔

تم اور تمھاری چھوٹی بہن محسنہ اور پرنس روڈ پر رہنے والے بہت سے تمھارے رشتہ دار اس شام یونیورسٹی آئے تھے۔ پہلے فزکس کے شعبہ میں یونین آفس کے سامنے اسٹیج بنا تھا اور چار بجے کے قریب جب شامیانوں میں کرسیاں بچھائی جا رہی تھیں تو زور کی بارش شروع ہو گئی تھی۔ سارا نظام بگڑ گیا اور مجبوراً کیمسٹری ہال میں فنکشن کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن وہ پروگرام بہرحال اس شام نہیں ہوا کیمسٹری ہال میں بے شمار لڑکے گھس آئے۔ مزید نیچے شور مچاتے رہے۔ خوب ہوٹنگ ہوئی۔ وزیرِ تعلیم تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو انھیں بھی نہ سنا گیا۔ وہ ناراض ہو کر چلے گئے اور تقریب منسوخ کر دی گئی۔ انتظام بالکل بگڑ گیا۔ لڑکیوں کو ـ ان میں تم بھی شامل تھیں پر میں نے اس وقت تک تمھیں نہیں دیکھا تھا۔ لگلے

بھول بھلیوں والے راستے میں سے نکالا گیا۔

ہم سب ـــ سکیم احسان کمال۔ ڈرامہ میں حصہ لینے والے دوسرے لڑکے اور تم ـــ تمھاری رشتہ دار لڑکیاں اور عمران صاحب ـــ کینٹین کے قریب والے بلاک میں جمع ہوئے۔ مجھے یاد ہے تم سب لڑکیاں ریاضی کے شعبے کے چوڑے نیم تاریک برآمدے میں کھڑی تھیں۔ تم نے اپنے برقعے اُتار لئے تھے اور عمران صاحب تم میں سے کسی سے بات کرنے ہم سے الگ ہو کر بار بار اُدھر جاتے تھے۔

تمھاری رشتہ دار لڑکیوں میں مجھے فرزانہ کی موجودگی کا احساس ذرا زیادہ تھا۔ اب میرے ذہن میں عمران صاحب بھی ہیں ۔ یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی کہ وہ تم سے شدید محبت کرتے ہیں۔ چھوٹے سے ـــ کرتہ پاجامہ پہننے والے شاعر ـــ ان کے چہرے پر ایسا کرب جیسے وہ کسی درد کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہوں۔

فرزانہ ـــ عمران صاحب کی بھانجی ـــ تمھارے باغی رشتہ داروں کی سب سے باغی لڑکی تھی اسکے افسانے میں نے عمران صاحب کے رسالے میں پڑھے تھے۔ میں نے اسے صرف اسلئے چن کر دیکھا تھا کہ مجھے سکیم نے بتایا تھا کہ وہ میرے افسانے بڑے شوق سے پڑھتی ہے۔

تم نے اس دن شوخ زرد رنگ کی قمیص پہنی تھی اور تمھیں پہچان لینے سے پہلے میں دیکھ رہا تھا کہ نیم تاریک برآمدے میں کھڑی لڑکیوں کے جھرمٹ میں ایک زرد قمیص بڑی نمایاں ہے۔ بہت بے چین ہے۔ سب کو گھیرے کھڑی ہے الگ جا رہی ہے تو سب پیچھے ہیں۔

ہم سب بہت مایوس تھے اور یہ شاید تم میں سے کسی کا مشورہ تھا کہ کہیں بیٹھ کر وہ ڈرامہ دیکھ لیا جائے جو کہ ہم کرنے والے تھے۔ پھر ہم نے جیم خانہ ہال میں دو کرسیاں بچھا کر وہ ڈرامہ کیا تھا۔ ساری لڑکیاں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔ بہت سے دوسرے لڑکے بھی آگئے تھے۔

وہ ڈرامہ چھوٹا سا اور دلچسپ تھا اور اُسے سب نے پسند کیا تھا۔ کمال اور نسیم اس میں مرکزی کردار کر رہے تھے میں چپ چاپ، سر جھکائے الگ بیٹھا تھا۔ فرزانہ مجھے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی اسکے باوجود میں محض بار بار تمھیں دیکھنے کی کوشش کرتا تھا میں سوچ رہا تھا کہ یہ گول چہرے والی گورے گورے رنگ کی لڑکی ـــ اسے تو اپنانے کو جی چاہتا ہے۔

بہت سے لڑکوں کی آمد کی وجہ سے ڈرامہ کے بعد دوسرے ہنگامے شروع ہو گئے تھے کسی نے کوئی گیت گایا۔ ایک صاحب نے منہ سے گھونگھرو بجائے نسیم نے لطیفے جوڑ کر بنایا ہوا ایک خاکہ سنایا۔

بارش رک چکی تھی اور نو بجے کے آس پاس جب ہم باہر نکلے تو سڑکیں بھیگی تھیں اور جگہ جگہ پانی جما تھا۔ پہلے ہم لوگ سب ساتھ چلے تھے۔ بندر روڈ پر عمران صاحب اپنے گھر کی لڑکیوں کو ایگزیبنس روڈ کی طرف چلے گئے تھے اور صرف تم دونوں بہنیں اور سلیم کمال اور میں بچے تھے۔ ہم سب بس کے لئے تاج محل سنیما تک آئے تھے لیکن بسیں بھری ہوئی آرہی تھیں اور تاج محل کے قریب سے ہم نے وکٹوریہ کیا تھا۔

(اب کہانی شروع ہوتی ہے)

وکٹوریہ میں، میں اور کمال چھوٹی سیٹ پر بیٹھے۔ میرے سامنے، بائیں طرف محسنہ۔ پھر تم اور پھر سلیم۔ تمھارے چہرے پر نقاب نہیں تھا۔ محسنہ اپنا آدھا چہرہ چھپائے تھی۔ تمھارے قریب بیٹھتے ہی میری آنکھیں چکا چوندھ ہو گئیں۔ تمھیں بھرپور نظروں سے اتنے قریب دیکھ لینا بڑا قیامت خیز ثابت ہوا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں بھی لمحاتی حادثوں سے یوں سر کے بل گر جاؤں گا ـــــ تمھیں دیکھ کر میرے ذہن میں وہ مصرع آیا تھا ـــ اک روشنی سی ہے مری آنکھوں کے آس پاس ـــــ تم واقعی بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔ ساجدہ سے تمھاری جو تعریفیں سنی تھیں اس کے پس منظر میں کچھ ایسا لگ رہا تھا جیسے آواگون کی کہانی والی کسی ہندستانی فلم کا ہیرو کسی کو دیکھ کر اچانک کہہ اٹھے ـــــ یہ وہی ہے ـــــ یہ وہی ہے۔

تم نے خود مجھ سے گفتگو شروع کی۔ تم نے پوچھا میں ساجدہ کو کیوں نہیں لایا۔ تمھارے انداز میں بڑی بے تکلفی تھی۔ مجھے ایسا لگا تھا جیسے تم مجھے کافی دلچسپی سے دیکھ رہی ہو۔ میں نے تمھارے سوال کا جواب دیا۔ تمھارے چہرے کو غور سے دیکھ کر میرے اندر کوئی چیز تیز لہر کی طرح بہہ گئی۔

میں جانتا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے ـــــ میں جانتا تھا اور بے بس تھا۔

اس رات تم نے اپنی ہونیوالی بھابھی کا بھی ذکر کیا تھا۔ تمھارے سوتیلے بڑے بھائی کی شادی جلد ہونے والی تھی اور منگنی ابھی پچھلے ہی دنوں ہوئی تھی۔ تمھاری بھابھی کو میں ایکبار دیکھ چکا تھا۔ جب

ضمیر یونیورسٹی میں ٹینس کا کپتان تھا تو اُسے مختلف کالجوں کے ٹینس کے مقابلے کی نگرانی کرنا پڑی تھی۔ تمہاری بھابھی نے لڑکیوں کے ایک کالج کی طرف سے ٹینس کھیلی تھی۔ اسوقت کورٹ میں لڑکیوں کے علاوہ صرف ہم تین لڑکے تھے ——— میں، ضمیر اور غیور ——— اور ان ساری لڑکیوں میں ہمیں تمہاری بھابھی سب سے اچھی لگی تھی (غیور کو ہارڈی کے کسی ناول کی پُراسرار صفات والی ایک لڑکی یاد آرہی تھی ——— ہاتھ جھٹک کر اسکا "ہو یا!" کہنے کا انداز کئی دنوں تک ہماری گفتگو کا موضوع بنا رہا تھا) اور اب تمہارے اپنے بھائی کی اس سے شادی ہونے والی تھی۔ وہ لوگ کافی دولتمند تھے اور ان کے خاندان کا شمار اونچی سوسائٹی کے صف اوّل کے خاندانوں میں تھا۔

بقول سلیم ——— اس شادی سے تمہارے اباجان کی ذہنیت کا اندازہ کیا جاسکتا تھا "کلاس" کا انہیں کتنا خیال تھا۔

بھیگی ہوئی رات میں وکٹوریہ کا وہ سفر میں کبھی نہ بھولوں گا۔ لیکن جو کچھ یاد ہے وہ دو ایک باتیں ہیں۔ ایک دو بار ہم سڑک اور عمارتوں کی طرف دیکھا تھا۔ وہ مناظر ذہن میں ہیں اور تمہارا چہرہ ——— سورج جیسا۔ جگمگ جگمگ کرتا ——— مسکراتا ——— پھول جیسا کھلا ہوا۔

شاید کمال نے میرے کسی افسانے کا ذکر کیا تھا جو ایک غیر معروف رسالہ میں چھپا تھا اور جس کی کوئی کاپی میرے پاس نہیں تھی۔ وہ اُسے ایک ریڈیو ڈرامے میں بدلنا چاہتا تھا۔ اس افسانے کے ذکر کے وقت تم نے مجھے غور سے دیکھا تھا۔ تب میں نے سوچا تھا کہ تم نے تو میرے بہت سے افسانے پڑھے ہونگے۔ مجھے اپنے افسانوں کی اچھی اچھی باتیں ——— خوبصورت جملے یاد آئے۔ تم ان سے متاثر ہو چکی ہوگی ——— تم نے کہیں یہ تو نہ سوچا تھا کہ یہ اداس اور ذہین نوجوان جسے تمہارا بھائی "بید چاہتا ہے" یہ تمہارا ہے؟

میں گرد منڈر پر اُترا۔ جی چاہا ایکبار تمہیں غور سے دیکھ لوں ——— پھر خبر نہیں تم کبھی نظر آؤ یا نہیں۔

رات کو سڑکوں پر پیدل چلنا میرا محبوب مشغلہ ہے لیکن اس رات تم سے رخصت ہوتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے میں بہت تھک گیا ہوں۔ جی چاہا کہیں بیٹھ کر اپنا سر کسی سہارے پر ٹکا کر اپنی آنکھیں بند کر لوں سڑک کے کنارے بنی ہوئی لوہے کی سرد ریلنگ پر اپنے ہاتھ رکھے میں کافی دیر تک وہاں کھڑا رہا۔ سر

جھکا کر میں نے اس پر اپنا ماتھا رکھ دیا۔

میں ساری رات جاگا اور جیسے کانٹوں پر لوٹتا رہا۔ راتوں کو جاگنا میری ایک پرانی عادت ہے۔ ہم نے میرا وہ خاکہ پڑھا تھا جو میں نے اپنے رتجگوں پر لکھا تھا۔ میں نے لکھا تھا کہ جنھیں دن ٹھکرا دیتے ہیں انھیں راتیں پناہ دیتی ہیں۔ راتوں میں بڑا حسن ہوتا ہے۔ دن بھر لوگ چابی بھرے کھلونوں کی طرح حرکت کرتے ہیں نفع نقصان کی باتیں کرتے ہیں۔ مگر رات ان کے چہروں پر سے مکر اور بناوٹ کے نقاب اتار دیتی ہے۔ راتوں کو ان کے دل دھڑکتے ہیں اور وہ قربت کے راستے ڈھونڈھتے ہیں۔ میں کہتا تھا کہ راتوں کو جاگنے کے لئے بڑے ڈسپلن کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں خود راتوں کو اپنا ٹیبل لیمپ گل کر کے اپنے دیوان پر دھرے تکئے کا سہارا لئے، آنکھیں بند کئے پڑا رہتا اور مجھے ایسا لگتا تھا جیسے ہر طرف امن ہے۔ اور ایک بہت اچھی پُر بہار زندگی میری منتظر ہے۔

لیکن اس رات اپنی زندگی میں پہلی بار مجھے رات کی شیطانی قوتوں کا علم ہوا۔ اس رات کا کرب لو رجینی میرے لئے بالکل نئی تھی۔

رات کے کوئی تین بجے میں تقریباً بے دم ہو کر اٹھا۔ میں نے ٹیبل لیمپ جلایا۔ میری الماری میں اسی سال کی ایک ڈائری رکھی تھی جس میں میں نے کچھ نہیں لکھا تھا۔ اسے نکال کر میں نے ـــ ستمبر کی تاریخ کے صفحہ پر انگریزی میں صرف دو جملے لکھے "یہ ایک ناکام مگر شدید تعلق کی ابتدا ہے۔" میں نے لکھا۔ "جس کا مجھے انتظار تھا۔ اور جس سے میں ڈرتا تھا وہ ہو چکا ہے۔"

دوسرے دن جب کافی ہاؤس میں میں نے سلیم اور کمال کو بتایا کہ میں ساری رات جاگا ہوں تو وہ سمجھے ڈرامہ کا نہ ہونا اس کا سبب تھا۔ سلیم ہمیشہ کی طرح سرپرست بنکر مجھ سے ہمدردی کرنے لگا۔

ایسے تمام دنوں یہ عہد و پیمان ہوتے تھے کہ ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ میں ڈرامہ لکھوں گا تو سلیم انھیں ڈائرکٹ کریگا۔ میں افسانہ لکھوں گا تو سلیم نقاد بن کر لوگوں کو اسکی باریکیاں سمجھائے گا۔ ہر جگہ ہم ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں گے یہ بات طے تھی کہ سلیم میری سوانح لکھے گا اور ہم اکثر بچوں کی طرح اس بات پر جھگڑتے تھے کہ کیا میں اس لئے مشہور ہونگا کہ میری سوانح سلیم نے لکھی ہے یا وہ اسلئے نام پائے گا کہ

میری سوانح حیات کا مصنف ہے۔ وہ ہلکے پھلکے موڈ میں یہ بھی کہتا تھا کہ کیوں نہ ابھی سے وہ میری پوری زندگی کے حالات لکھدے اور میں باقی زندگی اس تحریر کے مطابق زندہ رہ کر بڑا آدمی بن جاؤں۔

اور تب تم ___ ثروت سلطانہ ___ سلیم کی سب سے اچھی بہن ___ میری زندگی میں ناقابل یقین، ناقابل بیان، ناقابل تسخیر وحشت بن کر داخل ہوئیں۔ اب یہ ساری باتیں بہت دور کی اور عجیب لگتی ہیں اور کبھی کبھی تو خود مجھے شک ہوتا ہے کہ ایسا ہوا تھا لیکن یہ سچ ہے کہ اس رات کی اس چھوٹی سی ملاقات میں تم میرے پورے وجود پر محیط ہوگئیں۔ مجھے ایسا لگا کہ جیسے میں ریت پر کھڑا تھا کہ پیچھے سے کوئی تیز لہر آئی اور مجھے بہالے گئی۔

میں نے سب سے پہلے ساجدہ کو اپنی رازدار بنایا ___ وہ خوب ہنسی ___ مجھے سمجھانے لگی کہ خاندانی وجوہات کی بنا پر باعزت طریقے پر میرے لئے تمھیں اپنانا ممکن ہے۔

تمھارے اور سلیم کی طرح ہم دونوں بھائی بہن بھی ایک دوسرے کے اچھے ہمراز ہیں۔ تمھیں دیکھنے کے کچھ ہی دن بعد میں نے ساجدہ کو دھمکی دی تھی کہ اگر بہت جلد اس نے کسی بہانے تم سے نہیں ملایا تو میں کوئی ہنگامہ برپا کردونگا۔ وہ میرا پاگل پن دیکھ کر ہنستی ___ میرے ضد کرنے، منتیں کرنے اور بے تاب ہوجانے پر فکر مند ہوجاتی۔

"وہ بہت اچھی لڑکی ہے ___ وہ ایسی لڑکی نہیں ہے جس سے تم فلرٹ کر سکو ___" اس نے کہا تھا۔

میں سنجیدہ باتیں بھی بڑے مزاحیہ انداز میں کیا کرتا ہوں۔ میں نے اُسے سامنے بٹھا کر باقاعدہ تقریر کی۔ اُسے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ میرا تم سے ملنا اتنا ضروری کیوں ہے۔ محبت کے متعلق میرا جو نظریہ تھا۔ وہ تمام باتیں جن کی وجہ سے میں اپنے احباب میں 'اتھارٹی' سمجھا جاتا تھا۔ میں نے اُسے سمجھائیں۔

وہ انھیں دنوں اپنے ایم اے پاس کرلینے کی خوشی میں اپنی سہیلیوں کو ایک پارٹی دے رہی تھی اس کی جو بہت قریبی سہیلیاں ہیں ان سے میں دور بھاگتا ہوں۔ اور جب وہ سب جمع ہوجاتیں تو میرا گھر پر موجود ہونا محال تھا۔ پھر سب کی موجودگی میں تم سے بات ہی کیا ہوسکتی تھی۔ اسی لئے میں نے

ساجدہ کے ہاتھ پاؤں جوڑ کر اس بات پر راضی کرنے کی کوشش کی کہ وہ تمھیں باقی سہیلیوں کے ساتھ نہ بلائے بلکہ تم اپنی دو ایک دوستوں کے ساتھ الگ مدعو کی جاؤ اور اس روز میں تم سے ملوں۔

سلیم کے کمرے میں میں سلیم سے باتیں کرتے ہوئے، یہ سوچ کر کہ ایک دیوار کے پیچھے تم ہو، مجھے بڑی نرم نرم سی کسک محسوس ہوتی تھی۔ تمھارے چہرے کے نقوش سلیم کے چہرے سے ملتے ہیں۔ خاص طور پر ناک اور ہونٹ ـــــ اور میں اسے بڑے پیار سے دیکھا کرتا تھا۔ دیوار کے پیچھے سے امّی یا تم میں سے کسی ایک یا مہمان عورتوں کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔ اور میں کان آہٹ پر لگائے چوکنا بیٹھا رہتا تھا کہ تمھاری آواز سنائی دے۔ لیکن میں ان دنوں تمھاری آواز پہچان بھی نہ پاتا تھا۔ فون پر کئی بار انجانے میں تم سے سابقہ پڑا ہوگا۔ ہر بار میں دھڑکتے دل سے ریسیور اٹھاتا اور ٹھہر ٹھہر کر تمھارا نمبر ڈائل کرتا۔ تم تینوں بہنوں میں سے کسی ایک کی آواز آتی ـــــ "جی اچھا ـــــ کون صاحب بول رہے ہیں ـــــ بھائی جان تو گئے ہوئے ہیں ـــــ وغیرہ وغیرہ۔

اس دوران ایک دو بار مجھے یقین سا ہوا کہ دوسری طرف تم ہو لیکن میری بزدلی، احتیاط ـــــ مایوسی کا ڈر ـــــ میں نے کبھی کسی گفتگو کے آغاز کی کوشش نہ کی۔

ایک بار تمھیں دیکھا ـــــ اس رات میں دیر تک سلیم کے کمرے میں بیٹھا رہا تھا اور ہم بہت ذاتی اور جذباتی باتیں کر رہے تھے۔ اتفاق سے اس وقت تمھارا ذکر ہو رہا تھا۔ موضوع شادی تھا اور سلیم نے بتایا تھا کہ ایک بار تمھارے ابّا جان اپنے کسی بہت امیر دوست کے سخت نامعقول لڑکے سے تمھاری شادی کر دینا چاہتے تھے اور ابھی بات طے نہیں ہوئی تھی جب اس نے امّی سے پوچھا تھا کہ آیا انھوں نے تمھاری رائے معلوم کرلی ہے یا نہیں ـــــ اور امّی نے کہا ثروت سے کیا پوچھنا ـــــ اور تب سلیم نے (وہ اس وقت تخت پر بیٹھا تھا) ـــــ چیخ چیخ کر اور بے قابو ہو کر تخت پر مکّے مار مار کر کہا تھا کہ ثروت کی مرضی کے بغیر اس کی شادی نہیں ہو سکتی۔ سلیم نے بتایا کہ اس نے جوش میں نہ جانے کیا کیا کہا ـــــ امّی دہل گئیں۔

ظاہر ہے وہ شادی نہیں ہوئی۔

اور ان تمام باتوں کے بعد رات کے کوئی گیارہ بجے جب میں میز کے کنارے سے گھٹنا ٹکائے بیٹھا تھا تو تم سلیم کو پکارتے ہوئے دروازے کے سامنے آ گئیں۔

میں نے تمھیں ـــ تم نے مجھے دیکھا۔

تمھارے بال بے ترتیب تھے اور مجھے تم بہت اُداس اور اُجڑی نظر آ رہی تھیں جو باتیں ہو چکی تھیں ان کے پس منظر میں مجھے تم پر بے پناہ پیار اور رحم آیا۔ میں نے چاہا میں تمھاری حفاظت کروں اور تمھیں تمھارے گھر کی ساری آفتوں سے بچا کر اپنے پاس رکھوں۔

تھوڑی دیر بعد میں چلا آیا اور سارے راستے میرا جی بھاری رہا۔ کچھ ہی عرصے پہلے میری ایک بہن کی شادی کا ہنگامہ ہو چکا تھا۔ اس کی جہاں منگنی ہوئی تھی وہاں وہ شادی کرنا نہیں چاہتی تھی اور میں نے کہہ دیا تھا شادی نہیں ہو سکتی۔ کس کس طرح ہم پر دباؤ ڈالا گیا۔ کتنے بزرگوں نے مار ڈالنے اور مر جانے کی دھمکیاں دیں۔ ہماری امی نے رو رو کر بُرا حال کیا۔ آخر میں خود اس نے ہمت چھوڑ دی لیکن میں سینہ سپر رہا۔ وہ باتیں جن پر ہم ایمان رکھتے ہیں، جن کی ہم تبلیغ کرتے ہیں ان پر ہمیں عمل بھی تو کرنا چاہئے۔ اور مجھے وہ وقت یاد ہے جب گھر کے سارے بزرگ جمع تھے اور میں بپھر کر بے حیائی اور خودسری کی انتہا کو پہنچ گیا تھا کہ اگر اللہ میاں بھی آ جائیں تو یہ شادی نہیں ہو سکتی۔ اس میں ہمارا بڑا نقصان تھا۔ شاید ناسمجھی بھی تھی لیکن میں نہیں مانا اور تم جانتی ہو اپنے گھر میں مجھے کیا درجہ حاصل ہے۔

اس رات تمھاری نہ ہو سکنے والی شادی کے ذکر نے ـــ مجھ میں بڑا احساسِ کمتری پیدا کیا۔ مجھے وہ منظر یاد ہے ـــ میں تمھارے گھر سے نہرو روڈ عبور کر کے آ رہا ہوں۔ میں لڑکیوں کے اسکول کے قریب ہوں۔ میری آنکھوں میں اس اُداس لڑکی کی صورت ہے جسے میں نے لمحہ بھر کے لئے دیکھا اور میرے دل پر بڑا بوجھ ہے۔

میں ان دنوں بڑا ایذا پسند ہو گیا تھا۔ گھر آ کر میں نے اپنے آپ کو ایک جاگتے ہوئے خواب سے بہلایا۔ لیکن اسی خواب میں میں نے تمھیں کھو دیا۔ تمھارے لئے قربانی دی۔ ایسے تصورات سے میں اپنے آپ کو بہت تنگ کیا کرتا تھا اور جب اضطراب و بے چینی پوری یورش کے بعد میرے رخسار آنسوؤں سے نم چھوڑ جاتی تھی

تو میں تھک ہار کر سو جاتا تھا۔

تمھارے متعلق سوچ سوچ کر اپنے آپ کو اور تمھارا ذکر کر کرکے میں نے ساجدہ کو پریشان کر رکھا تھا۔ وہ بیچاری میری مدد کرنے پر راضی تھی اور ایک دن اس نے بتایا کہ وہ تمھاری ایک اچھی سہیلی ہے جو تمھارے ہی کالج میں پڑھتی ہے یہ کہہ چکی ہے کہ وہ تمھیں باقی سہیلیوں سے الگ ملنا چاہتی ہے۔

عمران صاحب کے بارے میں سب سے پہلے مجھے انہی دنوں ساجدہ کی زبانی معلوم ہوا اس نے بڑی تشویشناک لہجے میں بتایا کہ عمران صاحب تم سے شدید محبت کرتے ہیں۔ ان کی نظموں کا ایک کردار در اصل تم ہو اور تمھارے کالج کے مشاعرے میں انھوں نے اتنی رومانی نظم پڑھی تھی کہ تمھاری پرنسپل کو اعتراض ہوا تھا۔ اور انھوں نے یونین کی لڑکیوں کو ڈانٹا تھا کہ ایسا آوارہ شاعر لڑکیوں کے کالج میں کیوں بلایا گیا۔ یہ بات کہ عمران صاحب تم پر فریفتہ ہیں سب لڑکیوں کو معلوم تھی اور ساجدہ کا خیال تھا کہ ان سے تمھاری رشتہ داری اور گھر میں آمد و رفت کی وجہ سے انھیں یقیناً مجھ سے بہتر مواقع حاصل تھے اور کون جانے ـــ ساجدہ نے ہی یہ خوف میرے دل میں ڈالا۔ کون جانے تم نے واقعی کبھی عمران صاحب میں دلچسپی لی ہو۔

میرا خود کبھی اس بات پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہا۔ عمران صاحب مختلف آدمی ہیں ـ کمزور اور خود غرض ـــ کرتہ پوش، پرانی چیزوں کے دلدادہ ـــ تم سے بالکل مختلف ـــ مجھے مجھ سے ـــ ویسے اس بات کا مجھے یقین ہے کہ ان کی محبت نہایت وحشی (مکروہ؟) ٹھوس چیزوں کو گھلا دینے والی محبت ہوگی۔

تم سے فون پر پہلی بار بات انھیں دنوں پہلی یا دوسری اکتوبر کو ہوئی۔ شام سلیم کو کسی پروگرام کی ریہرسل کے لئے ریڈیو اسٹیشن پہنچنا تھا اور میں وہاں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ مقررہ وقت تک وہ نہیں آیا تو میں نے تمھارے گھر فون کیا۔

تم نے فون اٹھایا اور بتایا کہ وہ گھر سے جا چکا ہے۔ میں نے پوچھا کتنی دیر ہوئی اور پھر یہ کہ اسے ریڈیو اسٹیشن پہنچنا تھا وہ نہیں آیا ـــ ان ابتدائی جملوں کے بعد اچانک تم نے کہا۔

"آپ اعظم صاحب بول رہے ہیں نا؟"

"جی ہاں ——" میں نے اپنے آپ کو تھام کر کہا۔
"میں ثروت بول رہی ہوں —— سلام علیکم ——"
میں نے جواباً سلام کیا۔ تم نے یہ پوچھا کہ ساجدہ تمھیں علیحدہ کیوں مدعو کرنا چاہتی ہے میں نے کہا میں کچھ نہیں جانتا —— ویسے اس نے اپنی بہت سی سہیلیوں کو ایک پارٹی تو دی تھی اور کچھ خاص لوگوں کو اس نے اس لئے چھوڑ دیا کہ انھیں وہ بعد میں بلائے گی۔
یہ بات جلد ختم ہو گئی اور جب مجھے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دینا چاہئے تھا میں خاموش رہا اور رسیور تھامے رہا۔ تم بھی چپ رہیں۔ یہ وقفہ چھوٹا سا تھا لیکن مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس طرح میں تم پر اپنی محبت کا اظہار کر رہا ہوں۔
یہ بالکل ایسا ہی تھا کہ آمنے سامنے بیٹھ کر کسی کی آنکھوں میں بغیر کچھ کہے دیکھتے رہا جائے۔
"ہیلو ——" پھر تمھاری آواز آئی۔
"جی ——"
"اچھا تو خدا حافظ ——"
"جی اچھا ——" میں نے رسیور رکھ دیا۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ ایک پر اُمید بے چینی۔ ایک دھڑکا سا۔ اب کیا ہو گا —— ؟ اب کیا ہو گا —— ؟
اس کے بعد کئی بار سلیم کو فون کرنے سے پہلے میں نے خاموش دعا مانگی کہ تم ملو۔ تم سے باتیں ہوں۔ مگر سلیم کو ہر وقت —— ہر روز تو فون نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عام طور پر تمھاری امی فون اٹھایا کرتیں۔ تم ملتیں بھی تو تم سے کوئی بات نہ ہوتی۔
عمران صاحب اور ان کے پورے گروپ سے اکثر ملاقات ہوئی تھی۔ وہ مجھ میں دلچسپی لیتے تھے اور خاصی عقیدت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ تمھارے وہ سارے رشتہ دار جو برنس روڈ پہ رہتے تھے۔ عجیب عجیب چکروں میں گرفتار رہتے —— وہ سب ہنگامہ خیز لوگ ہیں ہر ایک کے بارے میں نامناسب افواہیں ہیں۔ سب کے سب الجھے ہوئے —— دستوو یسکی کے کرداروں کی طرح —— تمھارا اپنا گھرانہ ان سے مختلف ہے۔

اس لئے بھی کہ تم زیادہ دولت مند ہو اور تمھارے ابّا جان کو بڑے لوگوں سے ملنے جلنے اور ان پر اپنا اثر قائم رکھنے کا شوق ہے۔

تمھارے ابّا جان اس کہانی کے اہم کردار ہیں گو انھیں کچھ معلوم نہیں اور انھوں نے براہ راست تمھارے سلسلے میں کچھ نہیں کیا۔ وہ ساری دنیا کے لئے اہم، ملنسار اور خلیق آدمی ہیں لیکن اپنے گھر میں وہ بہت سخت ہیں۔ تمھاری امّی سے ان کی کبھی نہیں بنی یہ باتیں ایسی ہیں کہ کوئی آسانی سے سمجھ نہیں سکتا۔ میں اور سلیم اکثر تمھارے ابّا جان کا نفسیاتی تجزیہ کیا کرتے تھے۔ وہ خاصے مذہبی اور بلا کے با اصول ہیں۔ تمھارے گھریلو جھگڑوں کا مجھے اکثر علم رہتا تھا اور یہ بات میں کبھی نہیں بھولا کہ تمھارا اتنا اچھا خوشحال خاندان منحوس ستاروں کی زد میں رہا ہے۔

تمھارے متعلق میں نے ساجدہ کے علاوہ کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا لیکن میرے خاموش رہنے اور یونیورسٹی کے ہنگاموں سے دور رہنے کی کوششوں نے کئی دوستوں سے یہ کہلوایا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے خود سلیم کو یہ احساس ہو چلا تھا کہ میں پریشان ہوں لیکن اکیلے میں ہم ہمیشہ عالمگیر اور بنیادی مسائل پر باتیں کیا کرتے تھے

احسان یوں تو سلیم کا سب سے قریبی دوست کہا جا سکتا ہے کیونکہ وہ بچپن سے ساتھ رہتے ہیں اور ہمیشہ ایک کلاس میں پڑھتے رہے ہیں۔ وہ تمھارا عزیز بھی ہے، مگر میرا اور سلیم کا تعلق سب سے الگ اور جداگانہ تھا۔ ہم نے ایک دوسرے کو چنا تھا اور دھیرے دھیرے قریب آئے تھے۔ وہ دن بہت یادگار تھے جب میں نے اور سلیم نے اپنی دوستی کے ابتدائی دنوں میں 'LUST FOR LIFE' ساتھ ساتھ پڑھی تھی۔ ہم روزانہ کافی ہاؤس میں الگ بیٹھ کر دن کے پڑھے ہوئے حصوں پر باتیں کیا کرتے تھے۔ 'وان گاگ'، نے ہمیں بہت متاثر کیا تھا۔ (وہ منظر — اسنے اپنی محبوبہ کے گھر پہنچکر اس کے باپ کے سامنے جلتی ہوئی شمع کی لو پر ہتھیلی رکھ دی کہ صرف اتنی دیر — صرف اتنی دیر کے لئے جب تک وہ شمع کی لو پر ہاتھ رکھ سکتا ہے اسے اس لڑکی سے ملنے کی اجازت دیدی جائے —) — وہ پاگل پن۔ احساس کی شدت — ہر جذبہ کو — پوری زندگی اور وقت کو اپنے بازوؤں میں لے لینے کی شدید طلب —

میں کہا کرتا تھا کہ مجھے اپنے دوستوں اور اپنی بدقسمتیوں پر ناز ہے۔ میں نے اپنے راستے سے ہٹ کر دولت جمع کر لی تھی۔ اور ہم سب یونیورسٹی میں کینٹین کے آگے دائرے میں کرسیاں بچھا کر بیٹھا کرتے تھے اور سامنے ـــ او پر لڑکیاں اپنے کامن روم جاتے ہوئے آدھا شاٹ کیا کرتی ہیں۔

فلم میں وہ میرے آخری دن تھے صرف کبھی کبھی اسٹوڈیو جانا پڑتا تھا اور وہاں میرا جی گھبرانے لگتا تھا۔ ہفتہ میں ایک دو دن میں ضرور سمندر کے کنارے جایا کرتا تھا۔ تم جانتی ہو سمندر سے مجھے بے پناہ عقیدت ہے۔ میں نے اپنا بچپن ساحلوں پر تنہا ٹہل کر گزارا ہے اور جب سے ہی سمندر میرے لئے وہ دیوتا ہے جس سے مجھے پیار بھی ہے اور جس سے میں ڈرتا بھی ہوں اور جو میری سمجھ میں بالکل نہیں آتا۔

میں اپنے ایر بیگ میں ڈبل روٹی، مکھن، سینڈوچ یا اسی قسم کی کوئی کھانے کی چیز رکھ کر کلفٹن سے بہت دور اکیلا جا بیٹھتا تھا۔ اور گھنٹوں یا تو چپ چاپ ریت پر لیٹا رہتا تھا یا کبھی کبھی کچھ پڑھنے یا لکھنے کی کوشش کرتا تھا۔

فون پر تم سے ملاقات کے بعد میں نے سوچا میں تمہارے نام ایک طویل خط لکھوں اور اس میں اپنے سارے حالات و نظریات کی تشریح کردوں۔ اس میں ہر بات ہو جو میں نے سوچی ہے اور یہ کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں اور یہ محبت میری بقیہ زندگی کے لئے کتنی اہم ہے۔

میں نے ایک کاپی خریدی اور اس پر ایک دن تمہارے نام خط شروع کیا وہ خط افسانے کی طرح شروع ہوتا تھا اور پہلے ہی دن اس کاپی کے بیس صفحات بے سروپا باتوں سے بھر گئے تھے۔ ایک اور دن میں اسے کیماڑی لے گیا۔ وہاں ایک پتلا سا راستہ سمندر کے اندر دور تک چلا گیا ہے۔ اس کے کنارے کے پتھروں پر بیٹھ کر میں نے اپنے معصوم بچکانہ اور پھول جیسے جذبات کو لفظوں کی باڑھ میں لینے کی کوشش کی بہت سی اچھی اچھی باتیں لکھیں۔ اور ایک ہفتہ بعد اس کاپی کے تقریباً سو صفحے بھر گئے۔

لیکن نہ جانے کیوں ـــ اپنے آپ پر یوں بے اندازہ بھروسہ ہونے کے باوجود مجھے یہ خوف ہر لحظہ ستاتا تھا کہ میں تم سے کبھی نہیں مل پاؤں گا اور اگر کسی نے میری تحریر دیکھ لی تو میرا مذاق اڑایا جائے گا۔ اور ایک بار جب وہ کاپی ساتھ لئے منوڑہ جانے سے پہلے پیر پر کھڑا تھا تو شاید مایوسی کے عالم میں۔ مغلوب ہو کر۔

میں نے وہ کاپی ہاتھ سے چھوڑ دی۔ میلے کثیف پانی پر وہ تھپ سے گری۔ کافی دیر تک ہچکولے کھاتی ہوئی سطح پر رہی پھر دھیرے دھیرے نیچے چلی گئی۔

اس رات میں نے اپنے آپ کو رُلایا۔

یہ اکتوبر کے ابتدائی دنوں کی باتیں ہیں اور اپنی بہت سی باتیں میں بھولتا جا رہا ہوں جس حافظے پر مجھے ناز تھا وہ اب مجھے بٹھا کر پہروں اندھیرے میں ڈبکیاں دیتا ہے میں نے ڈائری بھی کبھی نہیں لکھی مگر تاریخوں پر نشان ہیں۔ جس جس دن تمھیں دیکھا یا تم سے بات کی اپنی ڈائری میں اس تاریخ پر ایک چھوٹا سا دائرہ بنالیا۔

ایسا ہی ایک نشان — اکتوبر کے صفحے پر ہے اس دن کوک ہال میں گرلز کانگریس کا کوئی فنکشن تھا اور اس میں تم تینوں بہنیں بھی جا رہی تھیں۔ صبح میں تمھارے یہاں بیٹھا تھا تو یاد آیا کہ اگر میں اپنی کار میں تمھیں چھوڑ آؤں تو شاید تم سے بات ہو جائے۔ میں نے سلیم سے کہا اور تم راضی ہو گئیں۔

ساجدہ اور میری چھوٹی بہن کی دوسری بہت سی سہیلیاں بھی جا رہی تھیں۔ میں پہلے انھیں چھوڑ کر اکیلی ساجدہ کو تمھیں لیجانے کے لئے ساتھ لایا۔ سلیم کے کمرے کے دروازے کے قریب میں نے کار کھڑی کی۔ تم نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے ہمیں دیکھا اور دو بہنیں برقعہ اوڑھے — دوہرے نقاب چہرے پر ڈالے باہر آئیں۔

"سلام علیکم۔" تم نے کہا۔ صرف ساجدہ سے یا ہم دونوں سے۔ "مزاج عالی!"

جلتے ہوئے تم سے براہ راست کوئی بات نہ ہوئی۔ اسی وقت مجھے معلوم ہوا کہ تم اپنے کالج کے جنرل سکریٹری کے عہدے کے لئے الیکشن لڑ رہی ہو جو دو دن بعد ہونے والا تھا۔ گھر سے تھوڑی دور جا کر تم نے نقاب الٹ دئے تھے اور میں پیچھے دیکھنے والے آئینے میں تمھارے دھلے ہوئے چہرے کو دیکھ کر بیتاب ہو گیا۔

ساجدہ وغیرہ کو واپس لانے کے لئے مجھے چھ بجے وہاں پھر پہنچنا تھا۔ میں پہلے ہی چلا گیا۔ اندر میدان میں میں نے دور کار کھڑی کی اور ہال کی طرف آیا۔ وہاں چوڑے برآمدے میں لڑکیاں پھیلی ہوئی تھیں اور اندر پروگرام ہو رہا تھا۔

میں نے تمھیں دیکھا۔ سفید قمیض، سفید شلوار ـــــ بالوں میں گلابی ربن۔ تم مصروف نظر آ رہی تھیں اور بار بار اُدھر آتی تھیں جدھر ما کو لا وغیرہ کا انتظام تھا۔ تمھارے چلنے کا پروقار، پراعتماد انداز مجھے اچھا لگتا تھا۔ میں اُس طرف گیا اور بڑی کارستانی سے بالکل تمھارے سامنے آ گیا۔

"ٹھہریے ـــــ"

تم چونک پڑیں۔ مجھے دیکھا۔ ہم ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔

میں نے تم سے پوچھا کہ فنکشن کب ختم ہوگا معلوم ہوا دیر ہے۔ میں نے کہا میں سامنے کار میں بیٹھا ہوں تم ساجدہ کو بتا دو کہ میں آ گیا ہوں۔ تم نے بڑے پیار سے اپنا سر ہلایا۔ ایک لحظہ ہم خاموش کھڑے رہے۔ پھر میں پیچھے ہٹ آیا۔

کار میں بیٹھ کر میں تمھیں دیکھتا رہا۔ تم جان بوجھ کر باہر باہر رہیں۔ ہال کے کسی دروازے میں کھڑی بھی ہوئیں تو اس طرح کہ میں تمھیں دیکھ سکوں۔ یہ لڑکیوں کے انداز ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ بھی تم نے مڑ کر میری طرف نہیں دیکھا اور اندر بھی نہیں گئیں۔ ساجدہ باہر آئی۔ اس نے مجھے دیکھا۔ تم اس کے قریب کھڑی رہیں۔ تھوڑی دیر بعد ساجدہ میرے پاس کار تک آئی تو میں نے شکایت کی کہ میں کتنی دیر سے انتظار کر رہا ہوں۔ وہ بولی اس نے تو بس اسی وقت مجھے دیکھا تھا۔

"تمھیں ثروت نے نہیں بتایا۔"

"نہیں تو ـــــ میں نے خود تمھیں دیکھ کر اس سے کہا کہ دیکھو اعظم آ گیا ہے۔ اسے تو پتہ ہی نہیں تھا۔"

تمھاری اس راز داری سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ تم یقیناً مجھ میں دلچسپی لے رہی تھیں۔ کیا یہ میری قوتِ ارادی تھی ـــــ؟ یا تم پہلے میرے تصوّر کی اسیر بنی تھیں؟

واپسی میں ساری لڑکیوں سے کار بھر گئی۔ ہم پہلے تمھیں چھوڑنے گئے۔ جاتے ہوئے تم نے محض مجھے سنانے کے لئے پروگرام پر تنقید شروع کی اور جو چھوٹے چھوٹے ڈرامے ہوئے تھے انکی ہدایت کاری پر تبصرے کرتی رہیں۔

باتوں باتوں میں تم نے خود بتایا کہ اپنے کالج کے ایک ٹیبلو میں تم لالے کا پھول بنی تھیں۔

یہ بات تم نے صرف مجھے بتائی تھی۔

اس رات آتے ہی میں نے پرانی کتابوں کے انبار میں سے بانگ درا نکالی جو ساجدہ کو اسکول کے دنوں میں انعام میں ملی تھی۔ اس میں وہ نظم (محبت) تھی جس پر کئے گئے ٹیبلو پر تم نے لالے کے پھول کا کردار ادا کیا تھا۔

خرام ناز پایا آفتابوں نے ستاروں نے
چٹک غنچوں نے پائی۔ داغ پائے لالہ زاروں نے

اس شعر پر میں نے بے تحاشہ لکیریں کھینچیں۔ ساجدہ نے خوب میرا مذاق اڑایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہونے والے الیکشن میں تمھاری پوزیشن بہت اچھی ہے اور تمھاری کامیابی یقینی ہے۔ یہ جان کر کہ تم اپنے کالج کی سب سے مقبول لڑکی ہو مجھے بڑی تسکین ہوئی۔ میں نے سوچا تم اس لائق ہو کہ میں تم سے محبت کروں۔ تم اتنی اچھی ہو کہ میں تمھارے لئے اپنے سارے اثاثے کو داؤں پر لگا دوں۔

تیسرے دن، ــــ اکتوبر کو تمھارا الیکشن تھا۔ میں نے وہ دن بڑی بیتابی میں گزارے۔ دو تین بار تمھارے گھر فون کیا مگر کچھ نہ ہوا۔ لالے کے پھول کو میں نے اسی رات سے اپنی محبت کا سمبل بنا لیا تھا ایسے تمام شعر ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جمع کرنا شروع کر دئے تھے جن میں لالے کا ذکر ہو۔

الیکشن والے دن دوپہر کو ہم اور سلیم یونیورسٹی سے ساتھ لوٹے۔ آرام باغ پر بس کا انتظار کرتے ہوئے سلیم نے تمھارے الیکشن کا ذکر کیا۔ اسے نتیجہ معلوم کرنے کی بڑی فکر تھی۔ میں اپنا راز چھپائے اس کے ساتھ کھڑا تھا۔

گھر آکر میں نے کمروں میں ٹہل ٹہل کر ساجدہ کا انتظار کیا۔ وہ ڈھائی بجے کے بعد آئی۔ پہلے اس نے مجھے خوب ستایا۔ پھر جب فلمیں دکھانے، کتابیں خرید کر دینے کے کئی وعدے کرلئے تو اس نے بتایا کہ تم بہت شاندار طریقے پر، کئی سو ووٹوں کی اکثریت سے جنرل سکریٹری منتخب ہوئی ہو۔ ساجدہ خود بہت خوش تھی۔

جی چاہا تمھیں اسی وقت مبارکباد دیجائے ــــ ایک پل سیدھا نہ بیٹھا گیا۔ ایک دو گھنٹہ میں میں

صدر چلا گیا۔ مجھے فون کرنا تھا اور میں دعا مانگ رہا تھا کہ تم مل جاؤ — میری اس کہانی میں ٹیلی فون بوتھوں کا ایک اہم مقام ہے۔ پبلک فون عام طور پر خراب ہوتے ہیں۔ ڈاکخانوں اور صدر کے مرکزی سینما گھروں میں لوگ اکنیاں لیے لائن میں کھڑے رہتے ہیں۔ میں نے اس شام "پام گروو" سے تمھیں فون کیا۔

میں آواز نہ پہچان پایا۔

"ذرا سلیم کو بلا دیجئے۔"

"سلیم تو نہیں ہیں۔"

میرا جی چاہا میں پوچھوں کون بول رہا ہے۔ تم ہو تو تمھیں مبارک باد دوں۔ کوئی اور بات ہو لیکن میں ہمیشہ سے صرف تمنا کرتا آیا ہوں۔ ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز اٹھائی نہیں جاتی۔

"ان سے کہہ دیجئے گا کہ اعظم نے فون کیا تھا۔"

"سلام علیکم۔" یہ تم تھیں اور تم نے گفتگو کا آغاز کرنے کے لئے اپنے پیارے مخصوص انداز میں سلام کیا تھا۔

"ثروت صاحبہ —؟"

"جی ہاں۔"

"بھئی ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے ساجدہ سے آپ کا رزلٹ معلوم ہوا۔ لیکن یہ سخت بے ایمانی ہے۔"

"کیا —؟"

"آپ کو اتنے بہت سے ووٹوں سے جیتنے کی کیا ضرورت تھی۔"

تم ہنسیں — اس دن ہم نے کافی باتیں کی۔ میں نے یونہی تمھیں مشورہ دیا کہ تم انٹر کالجیٹ باڈی وغیرہ سے الگ رہنا (سیاست سے ہمارے پورے گروپ کو سخت نفرت رہا کرتی تھی) — اور یہ کہ تم لڑکیوں کے سارے کالجوں کے عہدیداروں کی ایک انجمن بنا لو اور اس کی لیڈر بن جاؤ۔

پتہ نہیں کس طرح میری تعلیم کا ذکر ہوا تھا۔ میں نے بتایا کہ میں تو "آپ سے بہت جونیر —"

یعنی انٹرمیں ہوں۔ اس پر تم نے میری ذہانت، بغیر کچھ پڑھے فرسٹ ایر کا امتحان پاس کرلینے اور اچھی انگریزی جاننے کا حوالہ دیا تھا۔ میں نے کہا تھا انگریزی تو تمھاری بھی اچھی ہونی چاہیے۔ تم نے سلیم سے میری ایک کتاب "ڈائری آف این فرانک" پڑھنے کو لی تھی۔

تم نے کہا کہ تمھاری ایک سہیلی سعیدہ اس کا ترجمہ کررہی ہے۔ لیکن اسکے ترجمہ کیلئے تمھارا انداز مناسب ہوگا۔ تم نے بتایا کہ تم بھی باقاعدگی سے ڈائری لکھتی ہو۔

"آپ کی ڈائری بھی اتنی اچھی ہوتی ہے۔ ؟" میں نے پوچھا تھا۔

تمھارا لہجہ — تمھاری آواز — تمھاری بے تکلفی اور میرے حالات میں دلچسپی — ان تمام باتوں سے میں ڈرنے لگا تھا۔ کہیں میں نے تمھیں اپنے لئے ناگزیر سمجھ لیا تو کیا ہوگا۔

رات میں تمھارے گھر گیا۔ سلیم سے ملاقات ہوئی میں نے اُسے فون پر تم سے ملاقات کے متعلق نہیں بتایا۔ وہ خود پریشان تھا اس لئے کہ صفیہ بغیر کسی وجہ کے اس رات الگ روٹھی پڑی تھی۔ ہم عمر ہونے اور ہمیشہ ساتھ رہنے کے باوجود تم دونوں بہنوں میں ایک عجیب کھنچاؤ — رشک و حسد کا رشتہ تھا۔

اس دن کی گفتگو کے بعد میں نے مسلسل تمھارے متعلق سوچنا شروع کردیا وہ پر امید۔ دھڑکتے ہوئے دن، اب لگتا ہے میں نے نہیں گزارے تھے اب مجھے اندازہ ہوچکا ہے کہ آدمی اپنی جذباتی کیفیات کے ساتھ ساتھ کس طرح اپنے عقیدے اپنے نظریے بدلتا رہتا ہے پتہ نہیں چیزیں اصل میں کیا ہوتی ہیں۔ پتہ نہیں ذہن اپنے علم کے صحرا میں کتنے سرابوں پر یقین رکھتا ہے۔

میں نے پہلی بار اپنی زندگی کے بارے میں یوں سوچا کہ وہ کوئی قیمتی، عزیز، سوچ سمجھ کر بسر کیے جانے والی چیز ہے۔ دراصل میں نے محبت کا یوں انتظار کیا تھا جیسے کوئی ساحل پر کھڑے ہوکر طوفان کی راہ دیکھے۔ تم جانتی ہو میں بہت حساس ہوں۔ بہت بچپن سے میری آرزو تھی کہ میں کسی سے بے پناہ محبت کروں۔ گو میں نے بڑی ہنگامہ خیز زندگی گزاری۔ میں نے لوگوں کو پسپا ہوتے ہوئے دیکھا اور ان کی محرومیوں کا رازدار بنا۔ میرے سامنے — میرے ذاتی تجربے میں ایسے حادثے آئے جب زندگی کی خوبصورت ترین جذبات نے اپنی مکروہ، ڈراؤنی صورتیں دکھائیں۔ میں نے ہر سہارے کو منہ پھیر کر لوٹتے ہوئے دیکھا۔ پھر بھی محبت

کے اپنے بچگانہ اور جذباتی نظریہ کو میں اپنے سینے سے لگائے رہا۔
مطلب یہ نہیں کہ میں اصولاً محبت کی عظمت کا قائل تھا۔ میں نے تو اپنے لئے ایک خواب بنایا تھا۔ میں نے چاہا تھا کہ میں اور وہ لڑکی جس سے میں محبت کروں، ہم دونوں، بس ایک دوسرے کے لئے جئیں ـــــ اور جب ہم اس آگ کے طوفان سے گزریں تو ہمارے ملبوس کے کنارے بھی نہ جھلسیں۔
میں نے تمھیں دیکھا تو تمھیں چن لیا ـــــ پھر آہستہ آہستہ میری تصوراتی محبوبہ نے تمھارا جسم ـــــ تمھاری صورت ـــــ تمھارا نام پالیا۔
ـــــ اکتوبر کے بعد ایک ہفتہ تک میری ڈائری میں چھوٹے دائرہ کا نشان جیں۔ ہر روز شام کو میں سلیم کو فون کرتا۔ کبھی فون مصروف ہوتا تو دوبارہ فون کرنے کیلئے دیر دیر تک کھڑا رہتا۔ تمھارے ابّا جان اٹھاتے تو اس انتظار میں بے مصرف ٹہلتا کہ ان کے مہمان رخصت ہو جائیں تو وہ بیٹھنے کے کمرے سے چلے جائیں اور میں فون کروں تو تم اٹھاؤ ـــــ نیوٹاؤن پوسٹ آفس سے تمھیں فون کرنا ہے تو شکار پور کالونی کی سڑکوں پر گھوم رہا ہوں۔ صدر میں ہوں تو بلیس کے آس پاس بے چین، بیتاب پھر رہا ہوں۔
ایک دن خیال آیا تمھارے لئے کوئی تحفہ خریدوں۔ میں اور سلیم ابتدا سے ایک دوسرے کو کتابیں دیتے آئے تھے۔ سالگرہ پر تو یہ بات رسم سی بن چکی تھی ـــــ (تھوڑے عرصے پہلے میں نے سلیم کے لئے ـــــ، جو خریدی تھی اور اس پر میں نے لکھا تھا ـــــ بے حد عزیز سلیم کے لئے ـــــ راہ نوردِ شوق کو رہ میں کیسے کیسے یار ملے ـــــ) میں تمھارے بارے میں کم جانتا تھا۔ ایک بار تمھارے لئے بیشیار کتابیں نکال نکال کر دیکھتا رہا۔ پتہ نہیں تم کیا پسند کرو۔ ویسے مجھے تمھارے ذوق کے بارے میں کوئی خاص خوش فہمی نہ تھی۔ تمھیں بھی دوسری لڑکیوں کی طرح ہونا چاہئے تھا جو شاعروں میں سے شعر اپنی کاپیوں میں لکھتی ہیں ایسی تمام لڑکیاں شکیل بدایونی قسم کے شاعروں کو ضرور پسند کرتی ہیں۔ میں نے تمھارے لئے "شبستان" خریدی۔ یہ جانتے ہوئے کہ شاید وہ تم تک نہ پہنچے۔
ہم شام کے بعد کیفے سعید میں بیٹھا کرتے تھے۔ میرے اور سلیم کے علاوہ ظریف اکثر ہوا کرتا تھا تم جانتی ہو وہ مجھ سے اور سلیم سے کتنی محبت کرتا تھا۔ دوستی اور دوسرے رشتوں کے قصباتی تصورات کیساتھ ساتھ

اس میں جیسے زندگی کا آتش فشاں بھرا پڑا تھا۔ وہ تمھارا کھوج لگانے کی بڑی جستجو کیا کرتا تھا وہ جانتا تھا کہ "کوئی" ہے اور یہ نہ جاننا کہ وہ کون ہے اسے اپنی توہین لگتا تھا۔ سلیم کے سامنے وہ اس بات کا ذکر کرتا تو سلیم سر جھکا کر مسکرا دیتا۔ کیونکہ وہ اپنے تئیں یہ سمجھتا تھا کہ میری وہ تصوراتی محبوبہ جس کا میں زمانے سے ذکر کرتا آیا ہوں۔ ہنوز میرے خوابوں کی مکین ہے۔

تم اب میرے لئے لالہ کا پھول تھیں۔ اس ہفتہ کئی بار تمھارے گھر جانا ہوا اور میں نے یہ حماقت کی کہ خالی کاغذوں پر ـــــ اخبار کے سادے کناروں پر ـــــ سگریٹ کے پیکٹوں پر لالے کا پھول، اور تمھارا ٹیلیفون والا شعر اور اسی قسم کی دوسری باتیں لکھ دیں۔ ایک بار میں نے لکھا کہ اس دنیا میں کیا کچھ نہ ہوا ہے۔ اہرام مصر کے زمانے سے لیکر اب تک لوگوں نے کیا کیا نہ پایا ہے۔ کنیزیں شہزادیاں بنی ہیں۔ غلاموں نے بادشاہت کی ہے۔ کیا جانے اتفاقات سے پُر بے اندازہ امکانات کی اس دنیا میں مجھے لالے کا ایک پھول نہیں ملے گا۔؟

میں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے شعر جمع کئے تھے جن میں لالے کا ذکر ہو۔ میں نے خود شعر کہے۔ چراغ لالہ جلا ہے مرے شبستاں میں اور لالہ گوں ہیں تری یادیں قسم کی کچی باتیں۔

ـــــ اکتوبر کو جب میں نے نیو ٹاؤن سے تمھیں فون کیا تو تم سے بات ہوئی۔ پہلے کیطرح تم نے پہل کی۔ تم ہمارے یہاں آنے والی تھیں۔ میں نے کہا ہمارا مکان بہت اچھا نہیں ہے۔ تم بولیں ہم مکان نہیں دیکھتے لوگ دیکھتے ہیں اس دن میرے افسانوں کا بھی ذکر ہوا۔ تم نے پوچھا میں کیا لکھ رہا ہوں۔ میرے ایک افسانے کی تعریف کی جس کا اختتام یہ تھا کہ ایک کردار کچھ کہنے کی کوشش میں ایک بالکل مختلف بات کہہ دیتا ہے۔

"ایسا اکثر ہوتا ہے ـــــ" تم نے کہا ـــــ "ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں لیکن بالکل ایک دوسری بات کہہ دیتے ہیں۔"

صرف اس لئے کہ تم سے آئندہ ملاقات کی سبیل ہو۔ میں نے کہا مجھے تم سے (ـــ آپ سے ـــ ظاہر ہے) اپنے ایک افسانے کی ایک لڑکی کے کردار کے بارے میں رائے لینا ہے۔

"آپ ساجدہ سے کیوں نہیں پوچھ لیتے —"

"ساجدہ میں اور آپ میں تو فرق ہے نا —"

تم سنبھلیں — مان گئیں — میں نے اندازہ لگایا تم اسے اپنی ہمت افزائی سمجھ رہی ہو۔ میں، اتنا اچھا افسانہ نگار، تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔

"فرمایئے۔"

"ابھی نہیں — پھر کسی دن —"

اس طرح کم از کم تم پر ایک گفتگو ادھار ہو گئی۔

یہ وہی دن تھے جب میں نے لوگوں سے کٹنا شروع کیا۔ تنہا، اپنے آپ میں مگن رہنا — اپنے آپ سے باتیں کرنا — جاگتے میں خواب دیکھنا میرا شعار بن گیا۔ میرے طرح طرح کے دوست ہیں ایسے لوگ ہیں جو مجھے اپنے سب سے عزیز دوست کی طرح برتتے ہیں لیکن کبھی بھی میں نے اپنی پوری جھلک نہیں دکھائی۔ میں اپنے آپ کو پراسرار اور پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا صرف تم مجھے جانو۔ صرف تم میری رازدار بنو۔ بات یہ ہے ثروت سلطانہ کہ میں اپنے آپ سے بڑی محبت کرتا ہوں۔ اور سب سے زیادہ مجھے اپنے جذبات پر ناز ہے میں سمجھتا تھا کہ جب میں مکمل طور پر تمہارا ہوں تو میرے کسی دوست کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ مجھے اپنانے میں تمہارا حصہ دار بنے۔ گو ساجدہ — اور بعد میں ظریف — میری محبت کے رازدار رہے بہت سی باتیں ہیں جنہیں یہ بھی نہیں جانتے۔

میں نے سلیم کو بتایا تھا کہ ہر دوست سے ملنے کیلئے مجھے اپنے اوپر ایک غلاف ڈالنا پڑتا ہے صرف وہ ایسا تھا کہ اس کے سامنے میں نے کبھی شعوری طور پر اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش نہیں کی۔ ہم ہمیشہ ایک دوسرے سے بازو پھیلا کر ملا کرتے تھے۔ ہماری ایسی ملاقاتیں ہوئی ہیں کہ ہم ملے اور تنہا، خاموش بیٹھے رہے۔ گھنٹوں ہم میں سے کوئی نہیں بولا۔ پھر بھی جیسے ہم نے باتیں کی اور ایک دوسرے کو سمجھا۔

جب میں فلم میں تھا اور سلیم اس سلسلے میں بہت مصروف تھا تو کم و بیش ایک سال تک ہماری ملاقات نہ ہوئی۔ ہم جیسے دو دوستوں کا ایک شہر میں رہ کر اتنے عرصے جدا رہنا سب کو عجیب لگے گا — پھر

ایک دن۔ عیدگاہ کے قریب ہمارا سامنا ہوا۔ ہم ایک دوسرے سے بغلگیر ہوگئے۔ منٹوں میں دنوں، مہینوں کی باتیں ہوئیں۔ کہاں ہو۔۔۔ کیسے ہو۔ تھوڑی سی دیر کی باتوں نے اتنے لمبے عرصے کو جس میں ہم دونوں غیر معمولی حالات سے گزرے تھے پاٹ دیا۔

لیکن جس زمانے تک میری کہانی پہنچی ہے وہاں مجھے ڈر لگنے لگا تھا کہ سلیم میرے لیے ایک متوقع اجنبیت کے کنارے پر کھڑا ہے۔ احساس جرم نے میرے اندر سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ ایک دو بار میں اسے بس بتاتے بتاتے رہ گیا۔ یہ کہہ کر اپنے آپ کو روکا کہ ابھی تو کچھ ہونے والا ہے۔ ابھی تم بہت دور رہو۔

میری ڈائری کے اگلے صفحات سادہ ہیں۔ ۱۹۵۹ء کا پورا سال یوں تو سادہ ہے اور صرف ان آخری تاریخوں میں چھوٹے نشانات کے ساتھ ایک آدھ جملہ لکھا ہوا ہے۔ باقی جو کچھ ہوا جن کیفیات میں گزرا۔ اور تمہارے علاوہ میری حادثوں سے پر زندگی نے جن نقطوں کو چھوا ان کا کوئی اندراج یادداشت میرے پاس نہیں ان دنوں اشرو ڈکا ایک خود نوشتی ناول پڑھ کر یہ خواہش بری طرح جاگی تھی کہ میں اپنی نوجوانی کے دنوں پر ایک ریپورتاژ لکھوں گا اور اس میں ان سارے ہمہ رنگ کرداروں کا لب لباب نچوڑ دونگا۔ جن سے میرا سابقہ پڑا تھا۔ پر میں نے اپنی یادداشت کیلئے بھی ان کے بارے میں کچھ محفوظ نہیں رکھا اور اب جب میں تمھاری محبت کے زخم سے پیپ بہا رہا ہوں تو میرے ذہن میں سب گڈ مڈ ہو چکا ہے۔ تمھاری باتیں تمھاری آمد کے پہلے کی باتوں میں چھپی بیٹھی ہیں۔ بہت سی پرانی باتیں عجیب انداز میں تم سے متعلق لگتی ہیں۔

ہماری فلم کی ایڈیٹنگ ہو رہی تھی ہم اکثر رات کی شفٹ کیا کرتے۔ چھوٹی سی میز کے چھوٹے سے پردے پر فلم کے کردار میرے لکھے ہوئے مکالمے بولا کرتے تھے اور میں اونگھتا ہوا تمھارے متعلق سوچا کرتا تھا صبح ہونے سے ذرا پہلے میں ایڈیٹنگ ڈپارٹمنٹ کے باہر سیڑھیوں پر اکیلا بیٹھ کر نیند کے خمار میں تمھاری محبت کا نشہ محسوس کرتا تھا۔ مجھے شراب اپنا نہیں سکی۔ اس کا نشہ میں صرف سرکشی اور تجربے کے لئے برداشت کر لیتا تھا لیکن تمھاری محبت ۔۔۔ میں جان بوجھ کر اپنے آپ کو بے وقوف بنا رہا تھا۔ میں پناہ لے رہا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ میرا اپنے اوپر اختیار کم ہوتا جا رہا تھا۔

۔ نومبر کو ۔۔۔ پورے نو دن بعد ۔۔۔ تم نے مجھے فون پر اپنے اسی پیارے، تیزی سے کہے

جانے والے انداز میں سلام کیا۔ ہم دونوں نے پورے تکلف سے ایک دوسرے کی خیریت پوچھی۔

"آپ مجھ سے کچھ پوچھنے والے تھے۔" تم نے بالآخر کہا۔

"ہاں —" میں نے بہت سنبھل کر ابتدا کی۔ "ویسے مجھے پتہ نہیں میں آپ کو پوری بات سمجھا بھی سکوں گا یا نہیں۔ دراصل میں لڑکیوں کو ٹھیک طرح جانتا نہیں۔ میرے افسانوں میں پتہ نہیں لڑکیاں کیسی لگتی ہیں۔"

تم شوخی سے بولیں — "بہت اچھی لگتی ہیں۔"

"ان کے کردار مکمل ہوتے ہیں؟"

"بالکل مکمل۔"

میں جانتا تھا تم میری کتنی مدّاح ہو

"لیکن ایک کہانی ہے جو ادھوری لکھی پڑی ہے ایک دو باتیں ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔ اگر آپ میری مدد کر سکیں —؟"

"جو کچھ مجھ سے ہو سکا۔"

میں بہت ڈر رہا تھا۔ جو کچھ کہنا تھا وہ بہرحال کہنا تھا کیونکہ اسکو کھو دینے کے بعد دوسرا ایسا موقع ملنا دشوار نظر آرہا تھا۔ ساتھ ساتھ میں محبت وغیرہ قسم کے لفظوں سے بچنا چاہتا تھا۔

"ایک کہانی ہے —" میں نے ہمّت کی — میں نے تمھیں بتایا کہ فرض کیجئے الفنسٹن اسٹریٹ یا صدر کے کسی اور صاف سے علاقہ میں ایک نوجوان جا رہا ہے۔ اس کے کپڑے دھلے ہوئے مگر بے ترتیب ہیں۔ بال اُلجھے اُلجھے سے ہیں اور وہ کھویا ہوا — سر جھکا کر چل رہا ہے ایک موڑ پر سامنے سے ایک خاتون — خاصی فیشن ایبل — ساڑھی پہنے — آرہی ہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھٹھک جاتے ہیں وہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے اور اس طرح ایک دوسرے کے سامنے آجانے کے امکانات، لگتا تھا، ان کے ذہن میں نہیں تھے۔

نوجوان نے انھیں سلام کیا۔ اسکے چہرے پر بڑی تلخ مسکراہٹ ہے۔

خاتون کچھ گھبرا رہی ہیں۔ ان کے ہاتھ میں کاغذ کی تھیلیاں ہیں وہ کچھ خرید و فروخت کر رہی ہیں۔

بات یوں ہے کہ اب سے کچھ سال پہلے — سمجھ لیجئے تین یا چار — وہ دونوں کالج میں ساتھ پڑھا کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ وہ نوجوان بہت ذہین اور پسند کئے جانے کے قابل تھا۔ وہ خاتون کالج کی چیدہ لڑکیوں میں سے تھیں۔ لیکن پتہ نہیں کیا ہوا (یہ میں نے نہیں سوچا تھا) کہ ان صاحبہ کی کہیں شادی ہو گئی اور نوجوان اندرونِ ملک چلا گیا۔

اب وہ ملے تو خاتون نے بڑی تشویش سے پوچھا کہ وہ کہاں تھا۔ کیوں اس نے اپنے آپکو ضائع کیا اور اب کیا کر رہا ہے۔

نوجوان نے بھی کچھ مکالمے بولے اور خاتون سے گزارش کی کہ وہ اسکے ساتھ تھوڑی دیر کے لئے کسی کیفے میں بیٹھ لیں۔ اس سے ایک بہت ضروری بات کہنی ہے۔

خاتون پس و پیش کرتی ہیں۔ وہ اب شادی شدہ ہیں اور ایسے کامریڈ نظر آنیوالے نوجوان کے ساتھ دیکھا جانا ان کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے۔

نوجوان ضد کرتا ہے۔ صرف ایک بار — آخری بار — جیسے یہ اسکی زندگی اور موت کا سوال ہے اور جو گفتگو اسکو کرنا ہے وہ بے پناہ اہمیت رکھتی ہے۔

بہرحال — وہ دونوں ایک کیفے میں (میں نے اے۔ بی۔ سی کا نام لیا تھا —) جا کر بیٹھتے ہیں۔

نوجوان گفتگو کا آغاز کرتا ہے۔ وہ صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہے۔ کیا خاتون سچ مچ اس میں دلچسپی لیتی تھیں — یا نہیں۔

وہ اس کا جواب نہیں دینا چاہتیں — اب ان باتوں سے کیا حاصل —

لیکن نوجوان بضد ہے۔ اب ہو تو کچھ نہیں سکتا لیکن اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اسے کبھی پسند نہیں کیا گیا تو وہ اس بات کا افسوس کئے بغیر کہ اس نے کچھ کھویا ہے نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کر دے۔

اور اگر اصلیت یہ نہ ہو تو — ؟

تو کم از کم اسے یہ کرب تو نہ رہے کہ کبھی کسی نے اسے پسند نہیں کیا۔ وہ اس بات کو اپنے لئے سہارا سمجھے گا اور بامقصد زندگی گزارنے کی کوشش کرے گا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔" میں نے کہا "کہ محترمہ کیا کہیں گی۔"

"میں کیسے بتا سکتی ہوں۔ مجھے شادی شدہ ہونے کا تجربہ نہیں۔"

"لڑکی تو ہیں آپ ـــ"

"ظاہر ہے ـــ" تمھاری آواز مسکرائی۔

"میں آپ کو بتاؤں میں نے اسے کس طرح تمام کیا تھا۔ وہ خاتون جواب دینے سے کتراتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں یہ سب بیکار باتیں ہیں۔ تم کوئی ڈھنگ کا کام کرو۔ اپنی خوبیوں کو استعمال کرو۔ یہ تم نے اپنی کیا صورت بنا رکھی ہے ـــ لیکن نوجوان بضد ہے وہ جواب چاہتا ہے دو چار سالوں سے یہ تجسس اس کی زندگی اجیرن کئے ہوئے ہے اسے اب جان ہی لینا چاہئے کہ وہ محترمہ کیا واقعی اس سے ـ یعنی اس میں دلچسپی لیتی تھیں یا نہیں ـ"

"جی ـــ"

"خاتون نے کہا اگر میں نے تھیں یہ بتایا کہ میں تمھارے متعلق نہیں سوچتی تھی تو تم ساری زندگی تاسف کرو گے اور اگر یہ کہ میں واقعی تم میں دلچسپی لیتی تھی تو تھیں اس سے بھی زیادہ رنج ہوگا۔ وہ اٹھنا چاہتی ہیں لیکن نوجوان ان کا ہاتھ تھام لیتا ہے۔ یہاں پہنچ کر خاتون بہت سنجیدہ ہو جاتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں۔ جناب آپ کسی غلط فہمی میں نہ رہیں۔ میں نے کبھی تمھارے متعلق نہیں سوچا ـــ کبھی تم میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ دراصل میں تھیں سخت ناپسند کرتی رہی ہوں۔ اور جب بھی تم سے ملی ہوں تھیں زبردستی برداشت کیا ہے نوجوان سر جھکا لیتا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ اب تم اسی وقت اُٹھ کر چلے جاؤ۔ اس لئے کہ میں تمھارے ساتھ باہر نکلنا پسند نہیں کرتی اور آئندہ کبھی مجھ سے ملنے یا بات کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ نوجوان ہکا بکا رہ جاتا ہے وہ مایوس ہو کر اٹھتا ہے اور تھکے ہوئے قدموں سے باہر چلا جاتا ہے۔ اکیلے ہوتے ہی خاتون بُری طرح رو پڑتی ہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس نوجوان سے بے حد ـــ میرا مطلب ہے اس میں شدید دلچسپی لیا کرتی تھیں ـــ یہ اختتام کیسا ہے؟"

"بہت اچھا ـــ" تم متاثر ہوئی تھیں۔

"لیکن یہ بتایئے ــــ لڑکیاں تو پسند کرتی ہیں کہ کوئی ان میں دلچسپی لے۔ پھر وہ اتنی عجیب حرکت کرسکتی ہیں ــ ؟"

"یہ بات تو لڑکے بھی پسند کرتے ہیں کہ کوئی ان میں دلچسپی لے۔"

"لیکن لڑکیاں خاص طور پر۔"

"شاید۔"

"میں نے یہ کہانی ابھی آدھی لکھی ہے۔ آپ سوچیں کہ اس کا اختتام کیا اچھا رہے گا۔ زور اس بات پر دینا ہے کہ وہ محترمہ اس نوجوان میں پوری پوری دلچسپی لیا کرتی تھیں۔"

"میں سوچوں گی ــ"

"ایک بات بتایئے ــــ لڑکیاں ہر بات برداشت کیوں کر لیتی ہیں ؟"

تم رکیں ــــ "سب لڑکیاں ایسی نہیں ہوتیں۔ جیسے میں ہوں ــــ میرا جو جی چاہتا ہے میں کرتی ہوں ــ"

"مجھے ایسی کہانیاں لکھنا پسند نہیں ــــ" میں نے کہا تھا ــــ "میں نہیں چاہتا کوئی نوجوان اس طرح کسی لڑکی سے ملے ــ"

تم چپ رہی تھیں۔

"آپ ہمارے یہاں کب آرہی ہیں۔ ؟"

"دیکھئے ــــ شاید جلد آنا ہو۔"

اس شام جو باتیں ہوئی تھیں وہ بہت تھیں۔ میرے دل میں یہ آس جڑ پکڑ رہی تھی کہ تم کبھی نہ کبھی ضرور ملوگی۔

زندگی کے سارے ہنگامے، ہر منظر میں، میری دھڑکنیں چھپائے جا رہی ہے۔ روز چھ بجے کے قریب تمھارے گھر فون کر کے تم سے بات کرنے کی آرزو کئی دن ناکام ہوتی رہی۔ پھر ایک اتوار سہ پہر کے وقت تھیں ایک انگریزی اخبار کے نیوز روم سے فون کیا۔ اس وقت کمرے میں صرف دو حضرات اور تھے اور میں نے کافی

کھل کر تم سے بات کی۔
"ان دنوں آپ سے کہنے کے لئے بہت سی باتیں جمع ہوگئیں۔"
"کہیے ___"
"اس وقت نہیں کہی جا سکتیں۔"
"کیوں۔"
"اگر کوئی آٹھ نو دن روزانہ کئی گھنٹے کوئی بات سوچے تو وہ تھوڑی سی دیر میں کیسے کہی جا سکتی ہے"
تم چپ ہوگئیں ___ مجھے ایسا لگا جیسے میں نے تمہارے سانس لینے کی آواز سنی۔
اور میں نے کہا تھا ___ "میں نے آپ کے لئے شبستاں خریدی ہے۔"
"اتنی عنایت کیوں ___؟" تمہاری آواز میں خاصہ جذبہ تھا۔
"یونہی ___ دوکان کے قریب سے گزر رہا تھا۔ خرید لی۔ ویسے میں نے اس پر لکھا کچھ نہیں۔
آپ جب ہمارے یہاں آئیں تو خود لے جائیے گا۔ یا ساجدہ سے مانگ لیجئے گا۔"
تم خاموش رہیں۔ میں نے زندگی کے سب سے بڑے تحفے کا ذکر بھی پہلی بار اسی دن کیا ___ میں نے کہا ___ "ایک اور تحفہ آپ کو دینا ہے جو میرے پاس پانچ چھ سال سے ہے۔"
"کیا ہے؟" ___ تم نے پوچھا۔
"میں ابھی نہیں بتاؤں گا۔ وہ بے حد۔ بے حد اچھا تحفہ ہے۔"
تم نے جاننے کے لئے ضد نہیں کی۔ کچھ اور باتیں ہوئیں۔
"میں افسانہ نگار نہیں بننا چاہتا۔"
"کیوں ___؟"
"افسانہ نگار بننے کے لئے باقاعدہ غموں کی کھیتی باڑی کرنا پڑتی ہے۔"
"یہ تو ہے ___"
اور کیا کیا باتیں ہوئی تھیں ___؟

میں نے کہا تھا ——" آپ کے مضامین ادب اور سائیکولوجی ہیں اور میں ان دونوں کا شکار ہوں ۔"

تم ہنسیں۔

" ہمارے یہاں کب آرہی ہیں —— ؟"

" دو چار دنوں میں ۔"

" ضرور —— ؟"

" ضرور ——"

" دیکھئے —— وہ شبستاں ضرور لے جایئے گا۔ اور وہ جو خاص تحفہ ہے نا —— وہ میں بعد میں دوں گا ——"

" کیا ہے وہ آخر ——"

" سسپنس ۔" میں نے اُسے پراسرار بنانے کے لئے کہا۔

تم نے خدا حافظ کہا تو میں ریسیور تھامے منتظر رہا۔ تم نے بھی کچھ دیر انتظار کیا۔ ہم دونوں خاموش رہے پھر تمھاری طرف سے ریسیور رکھنے کی آواز آئی۔

اس رات میں نے تمھارے نام اپنا پہلا خط لکھا۔ وہ خط براہ راست خط نہیں تھا، عبور کے ماہنامہ کے لئے میں جس طرح کے جذباتی خاکے لکھا کرتا تھا، اسے میں نے اسی انداز میں شروع کیا تھا۔ اسکی کوئی نقل اب میرے پاس نہیں ہے اور اسے ایک بار پھر پڑھنے کی میں کئی بار تمنا کر چکا ہوں۔ لیکن امریکی سفارت خانے کی اطلاعات کی پشت پر لکھے ہوئے ان دس صفحوں میں سے بہت سے جملے مجھے زبانی یاد ہیں وہ میرے جذباتی افسانوں سے بھی زیادہ جذباتی تھا۔ میں نے خواب دیکھے تھے کہ میں پاگلوں کی طرح محبت کروں گا۔ اور وہ خط میری پہلی شکست تھا۔

اس رات میں نے کشتیاں جلادیں۔

کافی رات گئے میں نے وہ خط ریل اور چاند کے ذکر سے شروع کیا تھا۔ پہلی بار تھیں 'تم' کہا تھا

اپنی شدید محبت کا اعتراف تھا۔ اور پھر اس کے اچھوتے ہونے پر ناز ــــ

'میں اس لڑکی کے انتظار میں نہ جانے کب سے ہوں۔ جو میری ہمسفر بنے (میں نے لکھا تھا) میں نے اپنی شخصیت ــــ اپنے جسم اور اپنی روح کا ہر راز اس کے لئے چھپا کر رکھا ہے۔ میرا تصور بھی کنوارا ہے۔ اور یہ اس لئے بہت اہم ہے کہ مجھ سے لڑکیوں نے محبت کی ہے ـ'

اور ــــ

"تم میرے پاس آجاؤ میرے لالے کے پھول ــ میں تمھیں اپنی روح کی کیاری میں اپنے خونِ دل سے سینچوں گا۔ میں محض ایک لاُابالی نوجوان نہیں ہوں۔ جس نے کبھی کبھی افسانے لکھے ہیں مجھے ان چیزوں سے نہ پرکھو۔ جو میرے پاس نہیں ہیں۔ مجھے ان چیزوں سے مانو جو میں نے کھو دی ہیں اور ٹھکرا دی ہیں ــ"

اور ــــ

'میرے پاس دنیا کی سب سے شدید محبت اور سب سے پُرخلوص شخصیت کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور یہ اس لئے کہ میں نے کبھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ یہ زندگی تو ہمیں ساتھ گزارنی ہے۔ جیسے ہی تم میرا ہاتھ تھامو گی ہم سر جوڑ کر اپنی ساری بقیہ زندگی کا پروگرام بنائیں گے ـــ'

اور ــــ

'مجھے لالہ کا صرف ایک پھول چاہئے۔ ایک پابند گھرانے کی بہت اچھی ــ بے حد حسین ــــ ذہین اور خوش مذاق لڑکی ــــ وہ جو ایک ایسے نوجوان کی کائنات ہے جو اپنی ذہانت کے جواہرات راستے میں گراتا کسی مقصد کی تلاش میں سرگرداں ہے اور تم اس کا مقصد ہو ـ'

اور ــــ

'یہ بے خواب راتیں مجھ سے میری اس خوش قسمتی کا خوب انتقام لیتی ہیں کہ میں تم جیسی لڑکی کو چاہتا ہوں ـــ'

اور ــــ

'کیا مجھے تمھارے خوابوں کی شہرت ملی ہے؟'
ایک جگہ الگ میں نے لکھا تھا ——
'تو پھر اے لالۂ دل جلتے رہنا ؟
کہیں بھی راہ میں منزل نہ ہوگی'

اور بہت سی بچپنے کی باتیں —— اب میں سوچتا ہوں تو یہ بات ناقابل یقین سی لگتی ہے کہ ان معاملوں کو اتنا سمجھنے کے باوجود میں اتنا کیوں جھک گیا۔ میں نے بڑی غلطی کی۔ صرف اس لئے کہ میں واقعی تم سے بڑی ناسمجھ محبت کرتا تھا اور اس ڈر سے کہ پتہ نہیں کس دن تم سے تعلق یکلخت ختم ہو جائے، میں ایک ایک جملے میں اپنے سارے جذبوں کو نچوڑ دینا چاہتا تھا۔

اس دوپہر کی گفتگو کے تیسرے دن تم ہمارے گھر آئیں۔ تمھارے ساتھ فرزانہ بھی تھی۔ ساجدہ ابھی کالج سے نہیں آئی تھی۔ اور میں اکیلا تم دونوں کے ساتھ کافی دیر بیٹھا رہا تھا۔

سچ پوچھو تو یہ ہماری پہلی ملاقات تھی۔ ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھتے، تم آہستہ سے مسکرا کر نظریں جھکا لیتیں۔

فرزانہ ان باتوں میں دلچسپی لے رہی تھی کہ میں کیسے لکھتا ہوں، کہاں بیٹھ کر لکھتا ہوں۔ میں اس کی باتوں کو بے خیالی سے ٹالتا صرف تمھارے تصور میں گم تھا۔ تمھارا پورا جسم مجھے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ بس نہیں چلتا تھا کہ میں تمھیں اپنی باہوں میں جکڑ لوں۔

پھر ساجدہ آگئی۔ تم دونوں شام تک بیٹھیں —— میں نے محسوس کیا کہ تم بار بار کتابوں کی الماری کی طرف دیکھ رہی ہو۔ مگر شبستان اٹھانے یا مانگنے کی کوئی کوشش تم نے نہ کی۔ تم ہمیشہ سے بہت محتاط رہی ہو۔

میں نے خود کتابیں نکالیں۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد تمھیں شبستان دی۔ تم نے اسے میرے ہاتھوں سے لیا اور غیر متعلق باتوں کی آڑ میں اسے بڑے پیار سے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس ملاقات کا یہ منظر سب سے پائیدار رہے گا۔ تم نے کتاب اپنے دونوں ہاتھوں کے حلقے میں لیکر

جس طرح اسے اپنے سینے سے چمٹا لیا ـــ اسی چکر میں فرزانہ کو بھی ایک شعری مجموعہ دینا پڑا۔
میں اور ساجدہ تمھیں کار میں چھوڑنے گئے۔ جانے سے پہلے تم نے وہ رسالے مانگے جن میں میرے افسانے چھپ چکے تھے۔ میں نے تین چار رسالے تمھیں دیئے اور تمھارے لئے لکھا ہوا خط اپنی جیب میں رکھ لیا۔
ہم پہلے فرزانہ کو چھوڑنے گئے ـــ اسکے بعد برنس روڈ سے واپسی پر جمشید روڈ تک میں اپنے آئینے میں تمھیں بار بار دیکھتا رہا۔ تم نے ساجدہ سے ایسی باتیں کیں جو میرے لئے تھیں۔ ("ہم بہت محبت کرنے والے لوگ ہیں۔ لیکن کسی سے کہتے نہیں ـــ")
جب تمھارا گھر قریب آرہا تھا تو ساجدہ نے کہا۔

"یہ موڑ وہ ہے کہ پرچھائیاں بھی دینگی نہ ساتھ
مسافروں سے کہو اس کی رہ گزر آئی"

تم نے جواباً غالب کا شعر سنایا ـــ بڑے پر اثر لہجے میں ـــ

"زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی
کیوں ترا راہ گزر یاد آیا"

میں نے تمھارے دروازے پر کار روکی۔ تم پچھلا دروازہ کھول کر اتریں اور دروازہ کھولے کچھ دیر کھڑی رہیں۔ میں نے اپنی جیب سے وہ خط نکالا "یہ سلیم کو دے دیجئے گا ـــ ایک خاکہ ہے۔"
تم نے اسے لے کر ایک رسالے میں رکھ لیا۔ میری طرف دیکھا۔ لیکن بہرحال تمھیں جانا تھا۔ مجھے لگا تم بہت اداس ہو۔ تمھارا جی نہیں چاہتا تم مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ۔
اگلے دو تین دن تم سے کوئی بات نہ ہو پائی۔ تمھارے گھر جانا ہوا۔ سلیم کے کمرے میں تمھاری آواز کے لئے کان لگائے بیٹھے رہنے کے کرب سے گزرا۔
تمھیں خط دے چکنے کے بعد ہماری کہانی ایک واضح موڑ مڑ چکی تھی۔ میں بے چینی سے تمھارے ردِ عمل کا انتظار کر رہا تھا۔ ہر شام تمھیں فون کرنے کے لئے صدر کے پبلک بوتھوں کے ارد گرد ٹہلنا پڑتا تھا۔
کچھ روز بعد ـــ دسمبر کو ـــ تم نے میرا فون اٹھایا۔ بہت دھیرے سے تم نے اپنے مخصوص انداز

میں سلام کیا۔ ہم دونوں چپ رہے۔

"ثروت ـــــ" میں نے میٹروپول کے بند، کم روشن بوتھ میں سے تمھیں پکارا۔

"جی ـ" تمھاری آواز دور سے آئی۔

"میں نے ایک بڑی سخت غلطی کی ہے۔ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ جیسے بچوں کی کہانیوں کا کوئی دیو کسی کو یہ بتادے کہ اس کی جان کس طوطے میں ہے۔ میں نے سب کچھ کھودیا۔ پتہ نہیں مجھے کچھ ملا بھی یا نہیں ـ"

تمھاری سمت سے کوئی آواز نہ آئی۔

"مجھے کیا ملا ہے ثروت ـــــ"

سانسوں میں لپٹی، تمھاری ٹوٹی پھوٹی آواز آئی ـــ "سب کچھ ـ!"

ہم نے بڑی سرگوشیوں میں باتیں کیں۔ جیسے ہم دونوں کو یقین تھا کہ ہم کبھی ایک دوسرے کے نہیں ہو پائیں گے اور پھر بھی ہم اپنی محبت کے ہاتھوں بے بس تھے۔ وہ باتیں مجھے کچھ دیر کو بھی یاد نہ رہیں۔ لفظ جیسے اندھیرے میں سے آتے تھے۔ اور کان کے پاس سراسر کھو جاتے تھے۔ جیسے میں کمرے میں اکیلا کھڑا اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ میٹروپول کے بوتھ کی خاص خوشبو اور شیشے کی دیواروں کے باہر بے آواز گزرتے والے مختلف قومیتوں کے لوگ موقع کی پراسراریت میں اضافہ کر رہے تھے۔

تم بہت اداس تھیں۔ تم شاید رو رہی تھیں ـ "میں جہاں ہوں وہاں بڑے اندھیرے ہیں۔" تم نے کہا تھا ـــــ "آپ ہمارے ابا جان کو نہیں جانتے ـــ مجھ سے کوئی امید نہ رکھیے۔ ہمارے گھر کا ماحول ـــ"

اور میں تمھیں تسلی دے رہا تھا۔ "میں سب جانتا ہوں۔ سلیم ملازم ہوتے ہی آپ کو اور امی کو الگ لے جائے گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا ـ"

میں شروع سے بہت دور دیکھ رہا تھا۔ اپنے خط میں میں نے لکھ دیا تھا کہ میں تمھیں مکمل طور پر پالینا چاہتا ہوں۔ مجھے ناکام، ناتمام تجرباتی محبت نہیں چاہئے تھی۔ محبت صرف اسی کو کہتے ہیں (میں نے

سمجھا تھا) جو کامیاب ہو۔ ہمیشہ کے لئے ہو۔

"مجھے ڈر لگتا ہے ـــــ" تمھارا یہ جملہ اندھیرے میں دئیے کی طرح اب بھی ٹمٹماتا ہے۔

"مجھے ڈر لگتا ہے ـــــ"

اگلے دن پھر اسی وقت تم سے باتیں ہوئیں۔

میٹروپول کے اگلے بوتھ میں لکڑی کے سہارے پر ہاتھ ٹکا کر، آنکھیں موند کر میں نے تمھاری سرگوشیوں کا جواب دیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو میں تمھارے حضور بہت جھک گیا۔ اس بات کا مجھے تب اندازہ نہیں تھا کہ سب سے سچی محبت بھی دراصل شخصیتوں کی جنگ ہوا کرتی ہے۔

"ثروت ـــــ میرے پاس آجاؤ۔"

"کیسے آؤں ـــ"

میرے اندر کوئی چیز موم کی طرح سلگ کر بہتی ـــــ

"تم اتنی اچھی کیوں ہو؟ میں تم سے اتنی، اتنی شدید محبت کیوں کرتا ہوں ؟"

"میں اچھی نہیں ہوں اور آپ مجھ سے محبت نہ کیجئے۔"

"ثروت ـــ"

"جی ـــ"

"ثر ـــ وت ـ"

تم نے پوچھا ـــــ "آپ اتنے جذباتی کیوں ہیں۔"

"یہی میری خوبی ہے۔"

"نہیں ـــــ جذباتی ہونا اچھی بات نہیں ہے۔"

اسی گفتگو میں میں نے کہا تھا ـــ "میں تو اتنا محروم ہوں کہ میرا ذکر قرآن شریف میں آنا چاہئے تھا۔"

تم ہنسیں ـــ "اچھا ہے ـــ"

اس طرح کی ملاقاتیں اکثر تیس منٹ سے بڑھ جایا کرتی تھیں۔
" مجھے جانے دیجئے ۔"
" نہیں ثروت ـــــ ابھی نہیں ـــــ"
" پلیز ـــــ بہت دیر ہوگئی ہے۔ ابّا جان گھر میں ہیں۔"
" صرف ایک منٹ ـــــ صرف ایک بات ـــــ"
" جلدی ۔"
" اچھا ـــــ ادھر دیکھو ـــــ میری طرف ۔"
" کہاں ـــــ نظر بھی تو نہیں آتے ـــــ"
" تو پھر میرے پاس آجاؤ ـــــ ابھی، اسی وقت ـــــ سب کچھ چھوڑ کر ـــــ"
" ایسی باتیں نہ کرو جن سے مجھے تکلیف ہو۔"
" پھر کب ملوگی ـــــ ؟"
" ایسے ہی ـــــ اچھا اب خدا حافظ ۔"
" میں کوئی جواب نہ دیتا۔"
" مجھے جانے دو۔"
" نہیں ـــــ"
" مجھے جانے دونا ـــــ" تم بڑی عاجزی سے کہتیں۔
" اچھا جاؤ ـــــ" میں کہتا۔
" خدا حافظ ۔"
" میں چپ رہتا۔
" بھئی جانے دونا ـــــ بہت دیر ہوگئی ہے۔ اچھا خدا حافظ ـــــ فائنل ۔"
" خدا حافظ ـــــ" اور پھر میں تمھارے فون رکھنے کا انتظار کرتا۔

تم یہ چاہتی تھیں کہ میں اپنی جذباتیت چھوڑ کر بدلنے کی کوشش کروں۔ میں نے تمھیں سمجھایا کہ کوئی بھی شخصیت اپنی ساری خوبیوں اور خامیوں کے امتزاج سے ایک روپ پاتی ہے۔ کسی ایک خصلت یا خصوصیت کے بدلنے سے پورا توازن بگڑ سکتا ہے پھر ہر خوبی کسی خامی اور ہر خامی کسی خوبی کا سبب ہوتی ہے۔ میں جذباتی ہوں اسی لئے باوفا اور نیک ہوں۔ شریف آدمی بزدل بھی ہوا کرتے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ اگر تم مجھ سے محبت کرو تو پہلے میری خامیوں اور کوتاہیوں کو چاہو۔

"مجھے جذباتی ہونا اچھا نہیں لگتا۔" تم کہتیں۔

"تم جذباتی نہیں ہو — ؟"

"نہیں —"

"جھوٹ بولتی ہو — تم شاید مجھ سے زیادہ ہی جذباتی ہو۔ اچھا یہ بتاؤ تمھیں مجھ سے کتنی محبت ہے — ؟"

"مت پوچھو۔"

"کتنی۔"

"مجھے پتہ نہیں۔"

"بہت — ؟"

"ظاہر ہے۔"

"کیا میں ویسا ہی ہوں جیسا تم نے سوچا تھا کہ میں ہوں گا ؟"

"ہاں۔"

"تو تم یہ کیسے چاہ سکتی ہو کہ جس اعظم سے تم نے محبت کی تھی وہ بدل جائے یا بدلنے کی کوشش کرے مجھے اپنے بچپنے اور جذباتیت پر ناز ہے۔ اب تو تم یہ نہیں کہو گی کہ میں بدل جاؤں۔"

"نہیں۔"

یہ ملاقات بہت مختصر تھی۔

"تم کبھی ملو تو میں تمھیں وہ تحفہ دوں جو میرے پاس کئی سال سے ہے۔"

"کیا ہے ـــ"

"میں بتاؤں گا نہیں ـــ ننھا منا سا ہے ـــ کب ہوگی ـــ ؟"

"دیکھا جائے گا ـــ"

اور اسکے بعد دس گیارہ دن تک تم سے کوئی ملاقات نہ ہو پائی۔

تمھارا تحفہ اب میرے لئے بلائے جان تھا اور میں اسے جلد از جلد تمھیں دے دینا چاہتا تھا۔ وہ کوکا کولا کی چھوٹی سی ـ چھنگلی برابر بوتل تھی۔ اس میں اسی طرح کا شروب بھرا تھا۔ اور ابھرے لفظوں میں کوکا کولا لکھا تھا۔

اس تحفہ کی بھی ایک کہانی تھی جو میں نے تمھیں بعد میں سنائی۔ پانچ چھ سال پہلے جب میں اپنے وطن فرخ آباد گیا تو واپسی پر بمبئی کچھ دنوں کے لئے رکنا ہوا۔ میں نے اپنا سارا بچپن اسی شہر میں گزارا تھا۔ اور اسی لئے بڑی عقیدت سے جانی پہچانی جگہوں پر پھرا کرتا تھا ان دنوں فلمیں دیکھنے کا شوق تھا۔ ایک فلم کے دوران ایک ہندو لڑکے سے دوستی ہوئی نام بھول چکا ہوں۔ شاید پرکاش تھا۔ یا کوئی اور جس میں 'ش' آتا ہو۔ وہ مجھ سے کافی بڑا تھا اور ان دنوں ایم۔ اے کے پہلے سال میں تھا۔ لیکن ہم دوست ہو گئے اور کئی بار ملے۔ یہ بوتل اسکے پاس تھی۔ میں نے دیکھی تو مجھے بہت پیاری لگی۔ ہم دو تین بار بڑی تفصیل سے ملے تھے اور ہم نے نوجوانوں کے عام موضوعات پر کھل کر باتیں کی تھیں۔ محبت اور شادی کے متعلق میرے جذباتی نظریات اسے بہت پسند آئے تھے اور جب اس کی پیش کش کے باوجود میں وہ بوتل لیتے ہوئے ہچکچا رہا تھا تو اس نے کہا کہ میں اسے اس لڑکی کے لئے لے لوں، جو زندگی میں میری ہم سفر بنے گی ـــ مجھے اس بات میں بڑا، پر اسرار، افسانوی رنگ نظر آیا۔ میں نے

وہ بوتل لے لی اور اسے اتنی رازداری سے رکھا کہ میرے دوست اور گھر والوں نے بھی اسے نہ دیکھا۔ پہلے کچھ دنوں مجھے اسے چھپائے رکھنے میں مزہ آیا۔ پھر میں بھول گیا کہ ایسی کوئی چیز بچپن کی جمع کی ہوئی کتابوں کے بکس میں نیچے کہیں پڑی ہے۔ تمھیں دیکھا۔ تمھیں چاہا تو اسکی یاد آئی۔

انھیں دنوں یونیورسٹی میں قائداعظم ویک منایا گیا۔ ہم نے وہی ڈرامہ کھیلا جو پچھلی بار تیار کیا تھا احسان حیدرآباد جا چکا تھا اس لئے اپنے ڈرامہ میں میں نے مرکزی کردار ادا کیا۔ سلیم کسی عزیز کی شادی میں بہت مصروف تھا۔ اور تم بھی اسی سبب ہمارا ڈرامہ نہ دیکھ سکیں۔ اگر میں اسٹیج پر اپنی پہلی کوشش میں اتنا کامیاب رہا تو اس کی وجہ شاید تم تھیں۔ مجھے ہر کام آسان لگتا تھا۔ یہ بات میرے نظریئے کے مطابق تھی کہ میں محبت کو زندگی کے ہر چھوٹے بڑے کام میں ایک نفسیاتی سہارا سمجھتا تھا۔ کوئی ایسی ہستی ہونا چاہیئے۔ جس کے لئے آدمی تمغے جیتے۔ یا پسپا ہونے کے بعد جس کا آغوش پناہ دے سکے۔

— دسمبر کی دوپہر کو نیوٹاؤن کے ڈاک خانے سے میں نے فون کیا تو تم ملیں۔ اتنے دنوں میں بے شمار باتیں جمع ہو چکی تھیں۔ میں بے اختیار ہو گیا۔ تمھیں اپنے جذبات چھپانا خوب آتا ہے۔ تم نے بڑے پیارے سنبھلے ہوئے انداز میں کہا

"BE CAREFUL AND WAIT FOR THE RIGHT MOMENT"

یہ جملہ جیسے تم نے کہا تھا۔ مجھے کبھی کبھی سنائی دیتا ہے۔ تم اپنے گھر کے ہنگاموں میں بہت مصروف تھیں۔ گھر میں بہت سے لوگ تھے اور تمھارا ہر بار فون اٹھانا بہت مشکل تھا۔ بیچ میں ایک دو بار تم نے فون اٹھا کر جھٹ سلیم کو بلایا تھا۔ تمھارے آس پاس خاندان کی لڑکیاں اکٹھا تھیں۔ سلیم نے اپنے دوستوں کو اور تم تینوں بہنوں نے اپنی سہیلیوں کو ایک شام چائے پر بلایا۔ سلیم کے دوستوں کے لئے قریب کے ایک مکان میں انتظام کیا گیا۔ ساجدہ تمھارے گھر گئی۔ وہ میری جاسوس تھی اس نے بتایا کہ تم بہت اداس تھیں۔ تم نے کچھ افسانوی جملے بولے تھے کہ تمھاری قسمت میں صرف اندھیرے ہیں۔ وغیرہ— ایک بات ساجدہ نے ایسی بتائی کہ مجھے تم پر بڑا پیار آیا۔ اس نے

بتایا کہ وہ تمھارے پاس بیٹھی تھی۔ فون کی گھنٹی بجی۔ تم اچانک چونک پڑیں ۔ لپک کر اٹھیں ۔ لیکن صفیہ فون کے بالکل قریب تھی ۔ اسنے فون اٹھالیا۔ تم کافی دیر خاموش رہیں۔ وہ فون سلیم کے لئے تھا اور میرا ہو سکتا تھا۔

تب یونیورسٹی اپنی پرانی بلڈنگوں ہی میں تھی اور کیمپس کافی بن چکا تھا۔ بہت سے لوگ کیمپس کی تعریفیں کر چکے تھے اور کیونکہ کراچی یونیورسٹی کی روایات کی تاریخ کی پیش رَوی کے ارمان ہم لوگوں کو خوب تھے اس لئے ہم کیمپس دیکھنے جانے والے تھے۔ میں نے ساجدہ اور سلیم کو ملا کر اس قسم کا پروگرام بنایا کہ ایک صبح ہم سب کیمپس چلیں۔ تم اور محسنہ اور ساجدہ ــــ اور ذکی اور سلیم ــــ

میں اپنی محبت کے بارے میں بہت عملی ہو کر سوچنے کی کوشش کرتا تھا۔ تمھارا بی اے کا آخری سال تھا اور میں سوچتا تھا تم ایم۔ اے کرو۔ اس طرح ہمیں دو سال مل جائیں۔ میں اس زمانے میں کچھ کروں۔ بہت سی باتیں سوچی جا سکتی تھیں۔ ایم۔ اے کے بہانے تمھاری شادی دو سال کے لئے ٹل سکتی تھی تم ہمیشہ کہتی تھیں کہ یہ تمھارے لئے بہت مشکل ہوگا۔ تمھارے ابّا تمھیں نہیں پڑھنے دینگے۔ میں تم سے آگے پڑھنے کے لئے ضد کیا کرتا تھا۔

سلیم سے ــــ دسمبر کو کیمپس جانا طے ہوا۔ اتفاق سے ایک دن پہلے اتوار کے دن تم سے بات ہوئی۔

"کل چل رہے ہیں نا ــــ ؟" تم نے پُر امید لہجے میں کہا۔

"ہاں ۔"

"ہم دیکھیں گے ــــ"

"کیا ــــ"

تمھاری آواز بہت میٹھی تھی ۔ "تمھیں ۔"

واقعی ہم نے ایک دوسرے کو زمانے سے نہیں دیکھا تھا۔کیسی عجیب محبت تھی کہ ایک دوسرے سے دور ــــ صرف آواز کے سہارے اتنی دور پہنچ گئے تھے ۔ اب محبت کے اظہار کے

بعد پہلی بار ایک دوسرے کے سامنے آرہے تھے۔

اس دن تمھیں مجھ پر خاصا پیار آرہا تھا۔ ڈرامہ میں میری اداکاری کا تم نے ذکر کیا جسکی تعریف تم نے سنی تھی اور اس انعام کا جس کا فیصلہ دراصل ہمیں لوگوں نے کیا تھا۔

"مجھے بہت اچھا لگا ۔۔" تم نے کہا۔ "خوشی ہوئی۔"

ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ بیچ میں کسی مرد کی آواز آئی۔ "ہیلو۔" اسنے کہا۔ "ہیلو" میں ٹھٹھک گیا۔ جلدی سے اپنا فون بند کر دیا۔ مجھے آواز تمھارے بھائی جان کی لگی۔ لیکن وہ درمیان میں کیسے آگئے ۔۔۔؟ ٹیلی فون آپریٹر ایک دو بار پہلے بھی تنگ کر چکے تھے۔ بعد میں تم نے بتایا کہ وہ تمھارے بھائی جان ہی تھے۔ اپنی سسرال سے وہ گھر فون کرنے کی کوشش کرتے اور ہر بار انھیں لائن مصروف ملتی۔ تنگ آکر انھوں نے انکوائری فون کیا اور ان کے توسط سے درمیان میں آکودے۔ بہر حال کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔

کل صبح میں ساجدہ کو لے کر تمھارے یہاں پہنچا۔۔۔ تم دونوں بہنیں تیار ہو کر ابّا جان کی وجہ سے اپنے چچا کے گھر میں جو دو مکان چھوڑ کر تھا، ہمارا انتظار کر رہی تھیں۔ ذکی اور سلیم بھی وہیں تھے۔ تم دونوں کار میں آکر بیٹھیں۔ تم نے سلام کیا ۔۔۔ "مزاج عالی ۔۔۔!" تمھارے یہ مخصوص الفاظ ساجدہ سے زیادہ میرے لیے تھے۔ تینوں لڑکیاں پیچھے بیٹھیں۔ میں نے پیچھے دیکھنے کا شیشہ اس طرح کر لیا کہ اس میں تم نظر آؤ۔ تم بھی مجھے دیکھ رہی تھیں۔ میری جیب میں کوکا کولا کی ڈ چھوٹی بوتل تھی جسے میں تمھیں بتا چکا تھا کہ کسی طرح دیدوں گا۔

ہم کیمپس پہنچے ۔۔۔ ہمیں وہ اچھا لگا ۔۔۔ ہم نے سوچا ہم یہاں ساتھ پڑھیں گے۔ یہاں کی روایتوں کی بو کھودیں گے۔ ہم خالی کمروں میں گھومتے رہے۔ کئی بار تم پیچھے رہ کر اس موقعہ کی تاک میں رہیں کہ میں تمھیں وہ تحفہ دے دوں۔ صرف دو لمحے ہم اکیلے ہو جائیں ۔۔۔ لیکن ایسا موقعہ نہیں ملا۔ ہم پہلی منزل کی کھڑکیوں سے روش کی نچلی چھت پر آئے۔ جملے بازیاں ہوتی رہیں۔

واپسی سے پہلے ہم سب ہاکی کے میدان کی سبز گھاس پر بیٹھے۔ وہاں ہم نے بالکل بچوں جیسی

حرکت کی۔ ہم نے کہا کہ ہم کیمپس میں اپنی پہلی آمد کی کوئی یادگار چھوڑیں گے۔ طے ہوا کہ ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر کسی جگہ دفن کر دیا جائے اور برسوں بعد اسے نکالا جائے۔ کاغذ پر سب سے پہلے انگریزی میں میں نے لکھا" ہم آئے ___ ہم نے دیکھا۔ اس امید میں کہ ہم اسے فتح کر لیں گے ___"

پتہ نہیں کس نے کیا لکھا۔ تم نے بھی کچھ لکھا محسنہ نے شرارتاً لکھا" یہاں آکر بہت بور ہوئے۔"

کاغذ دوبارہ میرے ہاتھوں میں آیا۔ میں نے تمہاری طرف دیکھا ___ ایک اور جملہ لکھا" یہ جگہ کبھی اتنی اہم نہ ہوتی اگر آج کا دن نہ آتا۔"

موم جامے کی جس تھیلی میں خشک میوہ تھا اس میں اس کاغذ کو لپیٹ کر پھولوں کے ایک تختہ میں دفن کر دیا گیا۔

پھر ذکی نے کچھ گیت سنائے۔ وہیں بیٹھے بیٹھے میں نے تمہارا پرس اٹھا لیا۔ میں اپنے ساتھ ایئر بیگ لے گیا تھا۔ اس میں تمہارا پرس رکھ کر چپکے سے میں نے اپنا تحفہ پرس میں رکھ دیا۔ پھر نکال کر پرس تمہارے قریب ڈال دیا۔ تم نے لپک کر اسے اٹھا لیا۔ اور مضبوطی سے اسے تھامے رہیں۔

وہاں سے ہم اُٹھ کر صدر آئے اور فلیمنگو میں بیٹھے۔ میں مسلسل صرف اس لئے چائے پیتا رہا کہ ہم دیر تک بیٹھے رہیں اور میں تمہیں دیکھ سکوں۔ محسنہ۔ یا ذکی ___ بار بار چلنے کے لئے کہتے۔

"ابھی ہم یہاں اور بیٹھیں گے۔"

"کب تک۔" ذکی نے پوچھا۔

"ابد تک۔"

لیکن ہمیں وہاں سے اٹھنا پڑا۔ دوپہر ہو رہی تھی۔ تمہارے گھر آتے ہوئے میں تمہارے دیدار میں ایسا محو تھا کہ کار تمہارے گھر سے آگے نکل گئی۔ سلیم نے مجھے چونکا دیا۔

میں نے کار موڑی۔ تم اتریں ___ اپنے پچھلے دروازے کی طرف چلیں اندر داخل ہونے سے پہلے تم رکیں۔ میرے لئے اپنا ہاتھ ہلایا۔

تقریباً انہی دنوں ظریف میرے راز کے بالکل قریب تک پہنچ گیا۔ اور مجھے اسکو اپنا راز دا

بتانا پڑا۔ ویسے وہ ان چند لوگوں میں سے ہے جن پر پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ میرے راز کو اس نے بڑی بے تابی سے قبول کیا۔

"یہ تم نے کیا کیا ـــ" وہ کہا کرتا تھا اور صحیح معنوں میں وہ اپنی دشوار، غم انگیز محبت سے زیادہ میرے لئے پریشان رہتا تھا۔

شام کو وہ ملا تو مجھ پر ٹوٹ پڑا ـــ "بتاؤ کیا ہوا ـــ بتاؤ ـــ" اور وہ باہر کھڑا تھا۔

جب میں نے اس شام میٹروپل سے تمھارا نمبر ڈائل کیا۔

"سلام علیکم ـــ" تمھارا اپنا اندازِ تکلم ـــ

"وہ تحفہ تمھیں مل گیا ـــ ؟"

"ہاں ـــ"

"کیسا ہے ـــ ؟"

"بہت ـــ بہت پیارا ـــ"

"شاید یہاں صرف ایک ہو۔"

"ساری دنیا میں صرف ایک ہے۔ ایک بات بتاؤ ـــ تم اتنے سویٹ کیوں ہو۔؟"

"کون ـــ ؟" میں جان بوجھ کر انجان بنا۔

"کوئی ہے ـــ کوئی ہے، جو بہت سویٹ ہے۔"

"ثروت ـــ" میں نے پوچھا ـــ "ثروت ـــ ڈیرسیٹ ـــ کیا تم میری ہو۔؟"

میں نے تمھارے جواب کا انتظار کیا۔

"تم کس کی ثروت ہو ـــ ؟"

"یہ مجھ سے مت پوچھو ـــ"

اور بہت سی باتیں ہوئیں۔ صبح کی ملاقات کا تذکرہ ہوا۔

"تمھیں کیسا لگا ـــ مجھے دیکھ کر ـــ ؟"

"بہت عجیب —"

"مجھ سے ملوگی —؟ اکیلے میں —؟"

"پتہ نہیں —"

میں نے تمھیں اس بات پر راضی کرنا چاہا کہ تم بی۔اے کر کے ایم۔اے کرنے کی کوشش کرو سلیم یقیناً تمھارا ساتھ دیگا۔ تم لیکن بہت مایوس تھیں۔

ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ظریف نے بتایا کہ میں پینتالیس منٹ بوتھ میں رہا۔ رات میں نے ڈائری میں ملاقات کا چھوٹا سا دائرہ بنایا اور صرف ایک جملہ لکھا۔" پتہ نہیں مجھے تم سے زیادہ محبت ہے یا تمھیں مجھ سے —"

— دسمبر کو پھر تم سے تھوڑی سی باتیں ہوئیں۔

نئے سال کے لئے عہد و پیمان کرنے کا زمانہ کچھ سال پہلے ختم ہو چکا تھا بغیر کسی تقریب کے میں نے سلیم اور ظریف کے ساتھ نئے سال کو خوش آمدید کہا۔

پہلے تقریباً گیارہ بجے تک ہم ریو سینما کی بیلکونی میں بیٹھے رہے۔ سلیم ابا جان کی کسی بات کے سبب الجھا الجھا سا تھا۔ میں نے خاموش رہنا سیکھ لیا تھا اور ظریف میرا راز دار بن چکنے کے بعد بہت چوکنا رہنے لگا تھا۔ ہم مدھم روشنی میں چپ چاپ بیٹھے تھے۔

ہمارے پاس سادے کاغذ تھے اور ہر ایک نے کچھ لکھا تھا۔ میں دور کی روشنیوں کو گھورتا ہوا صرف تمھارے متعلق سوچ رہا تھا۔ پھر میں نے انگریزی میں لمبی لکیروں والی تحریر میں اپنے 'ETERN-AL YOU' کو مخاطب کیا تھا۔ یہ اب تم تھیں لیکن اس سے پہلے یہ "تم" برسوں سے میری زندگی کا ایک کردار تھا۔

پھر ہم تینوں (میں کار لایا تھا) تمھارے دوسرے مکان میں آ گئے — وہاں بارہ بجے کے قریب ہم نے زبردست اودھم مچایا۔ کار میں آتے ہوئے ہم خوب چیخے چلائے تھے۔ گانے گائے تھے۔ گالیاں بکی تھیں۔ بارہ بجے ہم بے تحاشا ہنسے — زبردستی ہنسے — قہقہے لگائے۔

میں گھر آ گیا۔ — اپنے کمرے میں ٹیبل لیمپ کی روشنی کے دائرے میں میں نے سادہ کاغذ رکھا۔ — سوچا تھا تمھارے نام، تمھارے لئے کچھ لکھوں گا — ایک نیا سال شروع ہو رہا تھا۔ وہ سال جب مجھے فیصلے کرنے تھے۔ جسے میں اپنی زندگی کا سب سے اہم سال سمجھ رہا تھا۔ جب مجھے اپنی زندگی کی جنگ شروع کرنا تھی۔

میں نے سوچا کہ میں لکھوں کہ مجھے تمھاری کتنی ضرورت ہے۔ میں نے مڑ کر اپنی پچھلی زندگی کی سمت دیکھا وہ سارے سال جو ضائع کر دئے تھے، وہ مواقع جو کھو دئے تھے، وہ امکانات جنھیں ہاتھ بڑھا کر میں نے چھوا بھی نہیں، ناقابلِ بیان کسک بن کر دل سے برقی لہر کی طرح گزرے۔

ثروت — میری محبوب — میں باتوں اور چیزوں کو راز میں رکھنے کا بہت قائل ہوں اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ اپنی حیثیت مجھے کبھی اپنے حلقے سے باہر بھی منوانا پڑے گی۔ ایک زمانے میں میں سلیم اور غیور سے کہا کرتا تھا کہ آؤ ہم تینوں بڑے آدمی بن جائیں اور یہ بات راز میں رکھیں۔

سنہ ۶۱ء کی اس پہلی رات — اور اس کے بعد ہر رات — تقریباً ہر اُس لمحہ جب تم میرے تصور میں رہیں میں نے ایک سانس میں تمھیں پایا اور دوسری میں گنوا دیا۔ تم میری تھیں، اور میری نہیں تھیں۔

میں نے لکھنا شروع کیا کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔ لکیریں کئی صفحوں تک پہنچیں۔ پھر میں نے انھیں پھاڑ دیا۔

آخر میں — سفید کاغذ کے درمیان میں نے ایک لائن لکھی — "میرے لالے — میں اس نئے سال کو تمھارے نام معنون کرتا ہوں۔"

میں نے روشنی گل کر کے تکیہ میں منہ چھپا لیا اور صبح تک جاگتا رہا۔

پہلی جنوری کو صرف تمھیں مبارکباد دینے کا موقع ملا۔ سلیم اور صفیہ تمھارے قریب اچھل کود رہے تھے اور تمھیں تنگ کر رہے تھے۔ تم یوں بات کر رہی تھیں جیسے کسی سہیلی سے مخاطب ہو۔ سلیم رات والے بے مقصد، وحشیانہ قہقہے لگا رہا تھا۔ صفیہ کی آواز مجھ تک آ رہی تھی — "بتاؤ کس کا فون ہے۔ کس کا فون ہے۔"

میرے پوچھنے پر تم نے بتایا کہ تم نے کوئی فیصلے نہیں کئے۔ تمھیں کوئی اندازہ نہیں تھا کہ نیا سال ہمارے لئے کیا لایا ہے ——"کیا تم میری ہو ثروت۔" کے جواب میں تم اب بھی خاموش تھیں۔
ایسی ہی ایک مختصر گفتگو تیسرے دن ہوئی اور پھر دس روز تک میری کوششوں کے باوجود تم سے بات نہ ہو سکی۔
—— جنوری کو میری سالگرہ تھی۔ میں چاہتا تھا کہ اس دن ہم زندگی میں پہلی بار تنہا ملیں۔ ہم ساتھ ٹہلیں۔ کسی دوکان میں جاکر کوئی چیز ایسے خریدیں جیسے ہم شادی شدہ ہوں۔ لیکن تم سے کوئی بات نہ ہو پائی تھی اور اپنی سالگرہ میں نے پروگرام کے مطابق سب سے الگ سمندر کے کنارے منائی۔
میں اور سلیم ایک دوسرے کو سالگرہ پر کتابیں دیا کرتے ہیں۔ اس شام اس نے میرے ساتھ —— کی کہانیاں خریدیں اور ایک تنہا گیفے میں بیٹھ کر اس نے اس پر پنسل سے لکھا۔
"اعظم —— آج تم پیدا ہوئے تھے اور تمھارے ساتھ ایک پوری کائنات —— دنیا کی خوبصورت کائناتوں میں سے ایک —— اپنی اس کائنات کو حسن اور ابدیت دو۔ وقت کا عفریت ایک مستقل خطرہ ہے اور اگر اس سے تمھیں ڈر لگے تو اپنی قریب ترین کائنات سے مجھے بلا لو —— اس کائنات سے جس کا نام سلیم ہے۔"
تم سے باتیں —— جنوری کو ہوئیں۔ میں تم سے ملنے کے لئے بیتاب تھا۔ تم ڈر رہی تھیں، ٹال دینا چاہتی تھیں۔
"اب تک —— میری زندگی میں ایسا نہیں ہوا ——" تم نے کہا تھا۔
"اب تک تمھاری زندگی میں کتنے اعظم آئے ہیں ؟"
تم لاجواب ہو جاتیں۔ کہتیں یہ اچھی بات نہیں ہے۔ لوگ دیکھ لیں گے۔ میں کہتا اگر کار ہو تو لوگ کیسے دیکھیں گے۔ میں پورا پروگرام تمھیں بتانے لگتا۔ تم کس طرح فلاں جگہ آؤ گی میں کار لئے منتظر رہوں گا۔ تم نقاب ڈالے رہو گی اور ہم ایسے علاقے میں چلے جائیں گے۔ جہاں اطمینان سے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں۔

اس شام تم تقریباً راضی ہوگئیں۔ تمھاری چھٹیاں ختم ہو چکی تھیں۔ اور تم باقاعدہ کالج جانے لگی تھیں۔

"جلدی ملو ڈیر —— جلدی ——" میں رازداری کے انداز میں کہتا۔

"ابھی نہیں —— پھر بتاؤں گی۔" تم اسی طرح جواب دیتیں۔

دو دن بعد تم سے بڑی پیاری باتیں ہوئیں۔ تم بہت گھما پھرا کر اپنی محبت کا اظہار کیا کرتی تھیں اور گو تمھارے لفظ —— تمھارے جملے اب میرے ذہن میں نہیں اس رس بھرے تاثر کی یاد باقی ہے۔ جو تمھاری باتوں سے ٹپکتا تھا۔

تمھاری ایک کتاب میں اٹھا لایا تھا۔ اس میں عمر خیام کی ایک رباعی تھی جسے میں نے کتاب کے آخر میں دوبارہ لکھ دیا تھا۔

AH LOVE, COULD YOU AND I WITH FATE CONSPIRE

TO GRASP THIS SORRY SCHEME OF THINGS ENTIRE

WOULD NOT WE SHATTER IT TO BITS AND THEN

REMOULD IT NEARER TO THE HEART'S DESIRE

کئی دن مسلسل تم سے فون پر ملنا جاری رہا لیکن ملاقات کا دن متعین نہ ہو سکا۔ تمھارے لئے فیصلہ کرنا واقعی مشکل تھا۔ بہت سی باتیں ہیں جو صرف جانی جا سکتی ہیں اور جنھیں میں اس بے ربط داستان میں کسی طور نہ کہہ پاؤں گا۔ ہم دونوں طویل ترین فاصلوں کے دو کناروں پر تھے۔ تمھارا مجھ سے چھپ کر ملنا تمھیں تاریخی رومانوں کا کردار بنا سکتا تھا۔

بہت سے دن گزر گئے۔ یوں صرف ایک ہفتہ لیکن ہر شام صدر میں اس آس میں ٹہلتے رہنا اب میں فون کروں تو شاید تم مل جاؤ۔ یہ جانتے ہوئے کہ سلیم گھر پر نہیں ہے بار بار فون کرنا۔ فریئر کے پیچھے سڑکوں پر اداس بھٹکنا —— اور تم تو جیسے کھو گئی تھیں۔ تمھارے گھر رات کو کئی بار جانا ہوا۔ تمھاری آواز بھی نہ آئی۔

میں بے سبب پریشان ہونے لگا۔ ظریف کیساتھ نیوٹاؤن کے قریب کے ہوٹلوں میں آدھی رات تک بیٹھتا ــــ میں چپ چاپ رہتا اور وہ کہانی نویس بن کر حادثوں کو تلے اوپر رکھ کر میری داستان کی بھول بھلیوں میں راستہ ڈھونڈتا۔ یہ اس کی خواہش تھی کہ وہ مجھ پر ایک کہانی لکھے۔

اسی کی بہن کے گھر سے جو جہانگیر روڈ پر رہتی ہیں میں نے ــــ جنوری کو تمھیں فون کیا۔ تم ملیں۔ (ظریف مجھ سے دور تھا)

تمھاری آواز بدلی بدلی لگ رہی تھی۔

"تم کتنے دنوں کہاں غائب رہیں؟" میں نے شکایت کی۔

"موقع نہیں ملا ــــ" اپنی آواز کو جذبہ سے بچاتے ہوئے تم نے کہا۔

"تم کب ملوگی ــــ"

"کبھی نہیں؟ ــــ"

میں بپھر پڑا ــــ میں نے پتہ نہیں کیا کیا کہا۔

تم نے چپ میری باتیں سنیں۔ پھر بدلتے ہوئے لہجوں میں بات دہرائی: "میں نے فیصلہ کیا ہے اعظم کہ میں تم سے کبھی نہیں ملوں گی ــــ اچھا ہے ہم فون پر بھی نہ ملا کریں۔ یہ بات یہیں ختم ہو جائے تو اچھا ہے۔"

"ثروت ــــ ثروت۔"

"میں نے تم سے کبھی کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔"

"میری بات سمجھو ثروت۔"

"یہ سب بچپنا ہے ــــ ہم کبھی ایک دوسرے کے نہیں ہو سکتے ــــ"

"میری خاطر۔"

"نہیں۔"

"تمھیں کچھ ہو گیا ہے۔"

"مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ میں خوب سوچ سمجھ کر یہ بات کہہ رہی ہوں۔"

تقریباً آدھے گھنٹے میں تمھیں سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ تم اپنی بات پر اڑی رہیں۔ تم نے خدا حافظ کہا تو یہ کہہ کر اب تم مجھ سے نہ ملوگی اور نہ فون پر بات کروگی۔

مجھے لگا کہانی ختم ہوگئی۔ اس لئے کہ تمھاری ضد اور قوت برداشت دونوں کا مجھے علم ہے۔ میں نے ظریف کو بتایا۔ اسے یقین نہ آیا۔ اسکے لئے یہ بات قابلِ قبول نہ تھی کہ کوئی بھی لڑکی، خواہ تم جیسی ہو ـــــ مجھے اس طرح چھوڑ سکتی ہے۔ خود اپنے اوپر مجھے کبھی اتنا اعتماد نہ ہوا۔

گھر آکر میں نے ساجدہ کو یہ بات بتائی۔ وہ میری بسورتی صورت دیکھ کر ہنسنے لگی۔ اس نے بھی یہی کہا کہ یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ تم بغیر وقت کے من جاؤگی۔

اگلے دن میں نے تمھیں فون نہیں کیا۔ میں نے پیسے تڑا کر دو بڑی اکنیاں لیں۔ میٹرو پول تک گیا۔ پھر نہ جانے کیا خیال آیا کہ اپنا ارادہ بدل دیا۔

ایک اور دن گزرا ـــــ کرب، تجسّس، سوالات ـــــ تم نے جو کہا تھا سچ تھا۔ عقل اگر ایک لمحہ کے لئے بھی ہماری محبت کی مکمل حکمراں بنے تو ہمارے درمیان پُر نہ ہوسکنے والی خلیج بنا دے لیکن میں نے تو صرف خواہشوں کے بتوں کو پوجا تھا۔ میرے لئے تو تم تمام عمر کا حاصل بن چکی تھیں۔ کیا میں اتنا کمتر تھا کہ تم دوسری چیزوں کے لئے مجھے ٹھکرا دو ـــــ پچھلی ملاقاتوں میں بار بار میں نے کہا تھا ـــــ ثروت ـــــ میں بہت کمزور ہوں۔ اسی لئے تم سے محبت کرتا ہوں۔ تم مجھ سے کبھی کوئی بات نہ چھپانا۔ کبھی اکیلے کوئی فیصلہ نہ کرنا۔ ہم ساتھ مل کر ہر مشکل کا حل ڈھونڈیں گے ـــــ اور جب تم کہا کرتی تھیں کہ تمھیں اپنی قوتِ برداشت پر ناز ہے تو میں تم سے وعدہ لیا کرتا تھا کہ تم اپنی یہ قوتِ برداشت میرے خلاف نہیں استعمال کروگی۔

ـــــ جنوری کو ظریف کی بہن کی سالگرہ تھی۔ اس نے تمھیں اور میری بہنوں کو بلایا تھا۔ میں ساجدہ کو لے کر تمھارے گھر گیا۔

تم کار میں آکر بیٹھیں اور تم نے نقاب الٹی تو میں نے تمھیں دیکھا۔ تم اکیلی تھیں۔ تم خاموش تھیں۔

تم نے سلام بھی نہیں کیا۔

ہماری نظریں ملیں۔

تمھیں دیکھتے ہی میں نے اندازہ لگا لیا کہ تم روتی رہی ہو۔ تمھارے چہرے پر بلا کا حزن تھا۔

ظریف اپنی بہن کے گھر تمھیں دیکھنے کے لئے بیتاب تھا۔ ہم پہنچے تو میں نے تمھارا تعارف کرایا (یہ سلیم کی بہن ــــ ثروت ہیں) اب تک ہم میں کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ پھر تم ساجدہ کے ساتھ اندر چلی گئیں۔ سلیم ہمارے ساتھ نہیں آیا تھا۔ دعوت کے بعد موسیقی کا پروگرام تھا۔ طے پایا کہ میں پہلے لڑکیوں کو چھوڑ آؤں۔ تم، ساجدہ اور میری چھوٹی بہن پچھلی سیٹ پر تھیں جب میں تمھیں چھوڑنے گیا۔ آئینے میں تمھیں دیکھ کر تم سے بات کرنے کو جی چاہا۔

"آپ کے مزاج تو بخیر ہیں ثروت صاحبہ۔"

"زندہ ہوں ــــ" اداس، رندھی ہوئی آواز ــــ

"یہ فیصلہ بھی آپ نے خود ہی کیا ہوگا شاید ــــ"

تم نے کوئی جواب نہ دیا۔

اگلے روز میں سلیم کے کمرے میں بجھا بجھا بیٹھا تمھارے متعلق سوچ رہا تھا۔ تمھاری آواز ایک دو بار آئی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ تمھیں اکیلے یہ حق کس نے دیا کہ جب چاہے قطع تعلق کر لو۔ اگر یہ محبت باہمی تھی تو مجھے بھی تم پر کچھ اختیار ہونا چاہئے تھا۔ اگر تم کوئی فیصلہ کر سکتی ہو تو یہ حق مجھے بھی ہے اور میرا فیصلہ یہ تھا کہ تم مجھ سے ملوگی۔

میں باتیں ادھوری چھوڑ کر جلدی سے اٹھا۔ شام ہو چکی تھی۔ میں سیدھا تسکار پور کالونی کے ایک پٹرول پمپ پر لگے فون پر آیا اور میں نے تمھیں فون کیا۔

میں نے پہلے تمھیں سمجھایا تھا کہ اگر میں ایک مخصوص غلط نمبر پوچھوں تو تم مجھے پہچان لینا۔ کوئی اور ہوگا تو غلط نمبر کہہ کر رکھ دے گا۔

تم نے فون اُٹھایا۔

میں نے وہی غلط نمبر پوچھا۔ تم ٹھٹھکیں۔ میں نے پھر وہی نمبر دہرایا۔ تم رکیں اور پھر تمھارے اپنے انداز میں تمھاری پیاری آواز آئی ـــــ "سلام علیکم ـــــ"
"ثروت ـــ"
"جی ـــــ"
"تمھیں کیا ہو گیا تھا۔"
"پتہ نہیں ـــ"
"دیکھو ثروت ـــــ" اور اس دن میں نے باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ میں نے تمھیں سمجھایا کہ میں بہر حال کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتا جس سے تمھیں نقصان ہو۔ یہ فیصلہ کہ تم مجھ سے بات کرنا چھوڑ دو تم جب چاہے کر سکتی ہو۔ لیکن بے وجہ نہیں۔ ابھی تو ہم ملے بھی نہیں ہیں۔ ابھی تو ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم ایک دوسرے کیلئے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ ابھی ہمیں ایک دوسرے سے دور نہیں جانا چاہئے۔
اس گفتگو میں میرا پلّہ بھاری رہا۔ تم نے میرے نقطۂ نظر کی تعریف کی۔ تم اس بات سے خوش ہوئیں کہ میں غیر جذباتی ہو کر سوچ سکتا ہوں۔ تم نے عہد کیا کہ تم آئندہ ایسی کوئی بات نہیں کرو گی۔
انھیں دنوں "ڈائری آف این فرانک" آئی ہوئی تھی اور تم وہ فلم دیکھنا چاہتی تھیں۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں ساجدہ کے ساتھ کوئی ایسا پروگرام بناؤں گا کہ تم بھی چل سکو۔
"اور ملو گی کب ـــ"
"بہت جلد ـــــ"
"اور ضرور ـــــ"
"ہاں ـــ"
دوسرے دن میں نے فون کیا تو محسنہ تھی۔ سلیم گھر پر نہ تھا۔
"ذرا ٹھہریئے۔ بجیا آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں ـــ"
تم آئیں۔ تم نے سلام کیا۔ اجنبیوں کی طرح باتیں کیں۔ تم دونوں بہنیں وہ فلم دیکھنا چاہتی

تھیں۔ میں نے اگلے دن، میٹنی کا پروگرام بنایا۔ تمھیں پہلے ہمارے گھر آنا تھا۔
تم دونوں سیاہ برقعے پہنے ہوئے آئیں۔ ہمارے گھر بس تھوڑی سی دیر بیٹھیں۔ ساجدہ کے علاوہ میری چھوٹی بہن بھی جارہی تھی۔ اور اسے لینے ہمیں اس کے کالج جانا تھا۔ کالج کے باہر میں نے کار روکی۔ ساجدہ اتری۔ اس نے تم سے ساتھ اندر چلنے کو کہا۔ تم نے کوئی عذر ڈھونڈا محسنہ شاید ہماری خاطر ساجدہ کے ہمراہ اندر چلی گئی اور ہم تھوڑی سی دیر کو تنہا رہ گئے۔
میں نے مڑ کر تمھیں دیکھا۔
تم نے کہا ــــ "نہ جانے مجھے کیا ہوگیا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر غصہ آجاتا ہے۔"
"کیریکٹر بن رہا ہے ــ"
"میں پڑھ نہیں پاؤں گی۔ میں آگے نہیں پڑھ سکتی ــ"
"ملاقات کب ہوگی ــ"
"ملی تو ہوں ـــ"
"تو پھر ہم چلیں ـــ" میں نے اسٹیرنگ کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔
آنکھیں جھپکا جھپکا کر ہم نے ایک دوسرے کو گھورا ـــ پھر تینوں لڑکیاں آگئیں۔
تم دونوں بغیر برقعے کے سینما دیکھنا چاہتی تھیں۔ اسلئے تمھارے برقعے کار ہی میں چھوڑ دیئے گئے شو شروع ہونے میں بہت دیر تھی۔ ہم اوپر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ تم بڑی اپنائیت سے مجھے دیکھا کرتیں محسنہ کی شریر باتوں کے میں نے جو جواب دئے ان پہ خوش ہوتیں۔ میری ہر بات کی تائید ــ میرے ہر سوال کا جواب اقرار میں ـــ میں نے تمھارا پرس لے لیا اور اس میں سے وہ لپ اسٹک چرالی تھی جس کا نام "کس می" تھا۔ پتہ نہیں وہ تمھارے پاس کیوں تھی کیونکہ میں نے تمھیں کبھی لپ اسٹک لگائے نہیں دیکھا۔
فلم کے دوران بھی ہماری نظریں گاہے گاہے ٹکراتی رہیں۔ ہم دونوں کے درمیان صرف ساجدہ تھی اور وہ بڑی احتیاط سے آگے جھکی رہتی کہ ہم آسانی سے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں۔

نجمی سیتیں بھی سب سے پچھلی رویں چنی تھیں۔ این فرانک کی کہانی بڑی بھولی اور معصوم ہے آخری حصہ میں جب گرفتاری سے پہلے این فرانک اپنی پہلی محبت کا اقرار کر رہی تھی۔ تو ہم دونوں ان چرائے ہوئے لمحوں کے دامن سے لپٹے یوں ایک دوسرے کو دیکھا کرتے تھے جیسے کچھ دیر بعد کوئی ہم سے ہماری بینائی چھین لے گا۔

فلم ختم ہوئی۔ واپسی پر گرو مندر کے قریب میں نے تجویز پیش کی کہ کہیں چائے پی جائے۔ تم راضی تھیں۔ شاید بے بس تھیں۔۔۔ لیکن محسنہ؟

"مجھے گھر چھوڑ دیجئے اور آپ بجیا کو لے جائیے۔۔۔"

"یہ سوچ لو کہ میں پھر کبھی گھر واپس نہیں آؤں گی۔۔۔"

یہ تم تھیں۔ اور یہ ان گنے چنے وقفوں میں سے ایک تھا جب تم بے قابو ہو کر اپنی محبت کا ایسا سچا اعتراف کیا کرتی تھیں۔

اس کے بعد تم سے ملنے کی خواہش کئی گنا بڑھ گئی۔ فون پر تم سے باتیں ہوئیں اور میں نے تمھیں اس کے لئے راضی کرنا چاہا۔

پہلا وعدہ۔۔۔ فروری کا ہوا۔ یہ طے پایا کہ دوپہر ایک خاص وقت میں گرو مندر کے قریب کار لیکر تمھارا انتظار کروں۔ تم گرو مندر پر اترو اور گل رعنا کلب کیطرف میری کار میں آکر بیٹھ جاؤ۔

میں نے تمھارا انتظار کیا۔ پوری زندگی کی تمنائیں اگر چند گھنٹوں میں سکڑ کر دھڑکنے لگیں تو انتظار بڑا شدید ہو جاتا ہے۔

میں نے انتظار کیا اور تم نہیں آئیں۔

ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین گھنٹے میں صدر کی طرف سے آنے والی بسوں میں سے اترنے والے سیاہ برقعوں کو گھورتا رہا۔

تم نہیں آئیں۔۔۔ تم فیصلے کرنے کے کرب سے ہار گئی ہوگی۔

دوسرے دن تم نے فون پر معافی مانگی۔ تم نے بتایا کہ تم کالج ہی نہ گئی تھیں۔

"میں نے تمھارا انتظار اتنا کیا ہے کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔"

تم نے اگلے دن ــــ فروری کو ــــ اسی طرح ملنے کا وعدہ کیا۔ میں نے پھر ابّا جان کے دفتر جا کر کار لی۔ اور وقت سے بہت پہلے گرو مندر پہنچ گیا۔

جس وقت تمھیں آنا تھا وہ گزرا تو میں سمجھا کہ تم نہیں آؤ گی۔ ایک بار پھر شدید مایوسی میرے حواس کی حکمراں بنی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد میں نے تمھیں بس سے اترتے دیکھا۔ میں نے تمھاری شاہانہ چال سے تمھیں پہچانا۔ تم اپنے ایک پیس کے برقعہ کی دونوں نقابیں احتیاط سے ڈالے تھیں۔

تم میری طرف آئیں۔ میں نے کار اسٹارٹ کی اور آہستہ سے گلی میں موڑ کر کچھ دور روک لی۔ تم پیچھے پیچھے آئیں۔ اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور بیٹھ گئیں۔

"سلام علیکم ــــ" مخصوص انداز ــــ "دیکھو میں آگئی۔"

میں نے کار چلادی ــــ بے صبرے پن سے تمھیں دیکھا۔ تم نے ایک نقاب اُلٹ دیا تھا اور تمھارا صحت مند مسکراتا ہوا چہرہ مجھے نظر آرہا تھا۔

میں پہلے جیل کی طرف چلا۔

تمھیں اپنے پاس پاکر۔ تمھیں اپنے پاس تنہا پاکر بیشمار تمنائیں دروازے پیٹنے لگیں

"ثروت ــــ ثروت ــــ ڈیر ــــ" میں نے بکھرے بکھرے انداز میں کہا۔

تمھارے پاس کچھ کاپیاں تھیں۔ ان میں سے ایک کچھ نئی تھی۔ میں سمجھا وہ تم میرے لئے لائی ہو میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمھیں ایک بہت اچھا افسانہ لکھ دوں گا۔ اور وہ کبھی کوئی اور نہ دیکھے گا۔ میں نے تمھاری گود میں رکھی ہوئی کاپی کو اٹھانا چاہا۔ تم نے دونوں ہاتھوں سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ وہ کاپی مجھ سے چھین لینا چاہی۔

"اچھا میں کاپی نہیں لیتا لیکن تم میرا ہاتھ اسی طرح تھامے رہو۔"

تم میرا ہاتھ تھامے رہیں ــــ مجھے دیکھتی رہیں۔

میں شہید ملت روڈ پر سے گزر کر آہستہ آہستہ سوسائٹی کی ان گنت سنسان گلیوں میں گھومنے لگا۔

ہم نے بہت سی باتیں کیں۔

"میرے قریب آؤ۔" میں بار بار تم سے کہتا تھا۔ بڑی سی کار میں تم اس طرح بیٹھی تھیں کہ میں اپنا بایاں ہاتھ تمھارے گرد نہیں ڈال سکتا تھا۔ تم ہر بار میری بات ٹال دیتیں اور میرا ہاتھ تمھارے ہاتھوں میں رہتا۔

سوسائٹی کی ایک سڑک پر ایک کم عمر امریکن لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے اپنے کولھے مٹکاتے، جھومتے ہوئے جا رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر میں نے تم سے کہا کہ وہ کم از کم اس لحاظ سے تو ہم سے برتر ہیں کہ اپنی چھوٹی چھوٹی تمنّائیں پوری کرنے کی ہمّت رکھتے ہیں۔

تم نے میری طرف دیکھا۔ شریر انداز میں مسکرائیں اور میرے قریب کھسکیں۔ اور قریب۔۔۔ میں نے ہاتھ تمھارے ہاتھوں سے چھڑا کر تمھارے بھرپور جسم کے گرد ڈال کر تمھیں اور بھی قریب کر لیا اور تم شاید میری قربت سے اتنی متاثر ہو چکی تھیں کہ پھر کاریں قریب سے گزریں۔ لوگ جو ملے گھورتے ملے۔ کئی آوازیں کسی گئیں۔ اور تم مجھ سے لگی، میرے کاندھے پر سر رکھے رہیں۔ تمھارا چہرہ بے نقاب رہا۔ اور میں ایک ہاتھ سے کار چلاتا رہا۔

ان دنوں تمھاری بائیں آنکھ دکھ رہی تھی۔ اور میں نے کہا تھا کہ میں اسے پیار کروں گا تو ٹھیک ہو جائے گی۔ ایک سنسان سڑک پر کار روک کر میں نے تمھارا چہرہ ہاتھوں میں لیا اور آہستہ سے اپنے ہونٹ تمھاری آنکھ پر رکھ دیے۔

تمھارے خوبصورت چہرے اور جسم کی قربت نے مجھے بہت بیتاب کر دیا تھا۔ میں نے پھر جلدی سے کار چلا دی۔ میرا ہاتھ تمھاری پشت پر سے ہو کر تمھاری کمر پر رہا اور تم اپنا پورا بوجھ لیے مجھ پر جھکی رہی۔

"کلفٹن چلیں۔"

تم نے اپنا سر جھکا کر ہاں کی۔ تم مجھے بہت، بہت پیاری لگ رہی تھیں۔

ہم نے کلفٹن کا ایک چکر لگایا۔ تم کسی صورت کار سے اُترنے کیلئے تیار نہ تھیں کلفٹن کے

قریب جو میدان کار چلانا سیکھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے میں نے تمھیں بتایا کہ تین چار سال پہلے جب میں کار سیکھ رہا تھا تو درمیان میں ایک کار کھڑی تھی جس میں ایک جوڑا ایک دوسرے سے لگا بیٹھا تھا۔ اور جب بھی میں کار اس طرف لے جانا چاہتا تھا ہمارا بوڑھا ڈرائیور اسٹیرنگ موڑ کر میرا رخ بدل دیتا تھا۔

"میں جب سے اس میدان سے اپنے انتقام کا انتظار کر رہا ہوں۔"

ہم اس میدان میں گئے۔ اس وقت وہاں صرف ہماری ہی کار تھی۔ میں نے اسے بہت دور، الگ لے جاکر کھڑا کر دیا اور بڑے ارمان سے تمھاری طرف مڑا۔

ہم ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ محبت کے ابتدائی دنوں میں یہ عمل کتنا سحر انگیز ہوتا ہے۔ بایاں ہاتھ تمھاری گردن میں ڈال کر میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے تمھارے چہرے کو چھوا۔

"آؤ، میں تمھارا پیار کروں۔"

تم نے اپنے آپ کو آزاد کرنا چاہا۔

"نہیں اعظم — نہیں — نہیں — نہیں —"

لیکن تمھاری مدافعت بہت ہلکی تھی اور تمھاری تھوڑی کو پکڑ کر میں نے تمھارے کھلے ہوئے ہونٹوں پر اپنا منہ رکھ دیا۔

زاپنی محبت کے اس پہلے پیار کا ذائقہ محسوسات کی یادوں میں اب تک سب سے الگ ہے)

ہمارے ہونٹ ملے تو تم نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے تمھارا ساکت چہرہ دیکھا۔

"ثروت۔"

تم نے اپنی مخمور کہر آلود آنکھیں کھولیں۔

"ثروت — تم میری ہونا؟"

بے بس قیدی کی طرح تم نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے تمھیں اپنے قریب تر کر لیا۔ اپنا سر تمھارے شانے پر رکھ دیا۔

تم بہت بے تاب تھیں۔ صاف معلوم ہوتا تھا اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کیلئے بڑی جدوجہد کر رہی ہو۔

تمھارا ہاتھ میرے چہرے پر آیا۔ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

تمھاری کتابیں اور پرس پچھلی سیٹ پر پڑے تھے۔ تم نے اپنا پرس مانگا۔ اسے کھول کر تم نے سبز پتّوں کے ساتھ کپڑے کا زرد پھول نکالا۔ اس میں تم نے بہت سا عطر ٹپکایا تھا اور وہ بری طرح مہک رہا تھا۔

"یہ تمھارے لئے ہے۔"

میں نے وہ پھول لیا —— اسے چوما۔ وہ پھول تمھارے بڑے بھائی لائے تھے، اور تمھاری ہدایت تھی کہ میں اسے سلیم کو بھی نہ دکھاؤں۔

ہمیں ملے دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ اور تم جانے کے لئے ضد کر رہی تھیں۔ دو تین بار میں نے کار اسٹارٹ کی اور سڑک پر آنے سے پہلے ہی واپس موڑ لی۔ "ایک بار اور تمھیں پیار کر لوں۔"

بالآخر ہم وہاں سے نکلے۔ واپسی پر تم میرے کاندھے پر سر رکھے تھیں اور بے حد پیار سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ میں آئینے میں تمھاری محبت بھری ٹکٹکی دیکھ رہا تھا۔

"تمھیں معلوم ہے عمران صاحب مجھ میں دلچسپی لیتے ہیں۔"

میں نے کہا —— "میں جانتا ہوں۔ میں ہمیشہ ان سے کہا کرتا ہوں کہ آپ کا رقیب بننے کو جی چاہتا ہے۔ انھیں وہ شعر سناتا ہوں ؎ کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب۔"

تم مسکرائیں۔

ہم نے پندرہ دن بعد دوبارہ ملنے کا پروگرام بنایا۔ اس دن تم 'مر' کا وہ شمارہ بھی لائی تھیں جس میں تمھارے بھائی جان کی شادی کی ایک تصویر چھپی تھی۔ جس میں تم، ابا اور امی کے درمیان کھڑی بہت چھوٹی سی لگ رہی تھیں۔

تم نے خود کہا کہ میں تمھارے گھر کے قریب چھوڑ آؤں۔ جمشید روڈ پہ ہے میں نے اسی راستے پہ کار موڑی جس پر مجھے چھوڑ کر تمھاری وکٹوریہ ہماری پہلی ملاقات کی رات گئی تھی (تم نے اس کا ذکر کیا) آگے آ کر تمھارا گھر سامنے نظر آنے لگا۔

"وہ تمھارا گھر ہے —" میں نے کہا۔" اونچی دیواروں والا گھر —"

میں نے کار کوارٹروں میں موڑ لی اور ایک گلی میں بالکل اس سڑک کے نزدیک آ گیا جس کی دوسری سمت تمھارا گھر تھا۔

"خدا حافظ۔"

تم اتریں —

"ڈیر — ڈارلنگ —" اترتے اترتے تمھارا ہاتھ میں نے زور سے دبایا۔ تم کوارٹروں میں چلی گئیں۔ مڑ مڑ کر مجھے دیکھتی رہیں۔

ایک رات عمران صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مجھ پہ شدید تھکن طاری تھی۔

تمھارے گھر، سلیم کے کمرے میں جانا بدستور جاری رہا۔ یہ میری عادت ہے کہ میں اخبار کے کناروں، کاغذ کے ٹکڑوں، غرض کسی نہ کسی چیز پہ آڑی ترچھی لکیریں کھینچا کرتا ہوں — اپنا نام، گفتگو کے دوران آنے والے جملوں کے بے ترتیب لفظ — کچھ بھی —

تب میں اپنے شعر اور ادھوری نظمیں لکھا کرتا تھا اور یہ تمھارا معمول تھا کہ جیسے ہی ہم دوست سلیم کو ساتھ لے کر کمرے سے نکلتے تم میز پہ پڑے کاغذ کے ٹکڑوں اور سگریٹ کے پیکٹوں پر لکھی میری تحریر ڈھونڈتیں۔ انھیں سنبھال کر رکھتیں۔ مجھے معلوم ہوا تو میں باقاعدہ تمھارے لیے کچھ نہ کچھ چھوڑنے لگا۔ اچھے اچھے شعر — اپنی محبت کا اعتراف — نہ جانے کیوں مجھے بار بار تم سے یہ کہنا پسند تھا کہ مجھے تم سے بے اندازہ محبت ہے۔ میری نظمیں تمھیں یاد ہیں —؟ آزاد — بحر سے عاری — غلط شعر — (تم میرے ویرانے میں میری ہی آواز کا زخمی سایہ ہو — وغیرہ وغیرہ)

سلیم سے ذاتی باتوں کا ذکر ہوتا تو میں اکثر چپ ہو جاتا۔ مجھے ڈر تھا کہیں میں اس سے

دور نہ ہوتا جاؤں۔ ویسے اندر ہی اندر میں اس پر بھروسہ کئے تھا مجھے یقین تھا کہ اگر تم نے مجھے پانے کا بیڑہ اٹھایا تو وہ بھی میرا ساتھ دے گا۔

اگر میں اپنی داستان کو مختلف ابواب میں تقسیم کروں تو تم سے ملاقات کے بعد ایک نئے باب۔ نئے دور کا آغاز ہوا۔ داخلی طور پر ہمارے رشتہ کی نوعیت ہی بدل گئی۔ پہلے اگر تمھارا تصور یوں آتا تھا کہ کوئی لڑکی پھیلے ہوئے پس منظر میں روشنی کا مرکز بنی اکیلی کھڑی ہے تو اب یوں لگتا تھا جیسے تم میرے آغوش میں اپنا سانس لیتا جسم چھپائے ہو اور تمھاری آنکھیں اپنی کھرآلود نمی کا آئینہ لئے میرے سامنے ہوں۔ اب مجھے تمھاری محبت کا یقین تھا۔ گو میرے جذبے کی شدت بڑھ چکی تھی۔ میں اپنے ہاتھوں بے بس نہیں ہوا تھا۔

اور تم اس ملاقات کے بعد جیسے سچ مچ میری محبت کے آغوش میں دم توڑ چکی تھیں۔ میں تقریباً ہر شام تمھیں فون کرتا اور جس دن ہماری بات نہ ہوتی تھیں مجھ سے زیادہ تکلیف پہنچتی۔

"تمھارا فون آجاتا ہے تو مجھے بڑی تسکین ہوتی ہے۔" تم نے کہا تھا۔ "میں دن بھر اداس رہتی ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے سب سے چھپ کر خوب خوب روؤں۔ پھر تم سے باتیں کر لیتی ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے سب کچھ ٹھیک ہے۔ تم ہر روز مجھے فون کیا کرو۔ اچھا۔ ؟"

یہ تمھیں معلوم ہے کہ میں چاہے جانے کا عادی ہوں۔ گھر اور دوستوں کے حلقے سے مجھے غیر معمولی محبت ملی ہے۔ سلیم کہتا ہے میں لوگوں میں مادرانہ اور پدرانہ شفقتیں بیدار کرتا ہوں۔ بہت سے لوگ مجھے اپنا بیٹا بنا چکے تھے۔ میں ان سب سے تنگ آچکا تھا جو میری سرپرستی کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات میرے لئے کسی مسرت کا باعث نہ تھی کہ میں پسند کیا جاتا ہوں۔ سلیم اور دوسرے ایسے دوست جو اپنے والدین کی بے رخی کے شاکی تھے میری اس بات پر جھنجلا اٹھتے کہ میں اپنے گھر والوں کی محبت کو بدقسمتی کیوں کہتا ہوں مجھے ایسی محبت اچھی نہیں لگتی جو توقعات اور امیدوں کے ساتھ چلے۔ میں جانتا ہوں میں کبھی اپنے گھر والوں کے لئے باعث فخر نہیں بن سکوں گا۔ میں اپنی زندگی رشتوں کے عوض رہن نہیں رکھ سکتا۔ میں سوچا کرتا تھا مجھے کسی کی محبت نہیں چاہیئے۔ مجھے تمھاری محبت چاہیئے۔ اسلئے کہ

تم ساری زندگی میرے ساتھ رہو گی۔ تم سے چاہے جانے کی تمنا جس قدر میں نے کی تھی۔ دیوتاؤں نے اپنے ملنے جلنے کے لئے نہ کی ہو گی۔

اور تب میں جانتا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔

ہماری دوسری ملاقات دو ہفتہ بعد جس دن ہونے والی تھی اس سے ایک دن پہلے ہی ہو گئی۔ تم نے ایک دن فون پر بتایا کہ اس دن تم کالج سے جلد فارغ ہو جاؤ گی اور مجھ سے مل لو گی۔

شاید اس دن بھی تم گرو مندر پر میری کار میں بیٹھیں۔ یہ بھی یاد نہیں کہ صفیہ اختر کے خطوط کا مجموعہ "زیرِ لب" میں نے تمھیں اسی ملاقات میں دیا یا اگلی میں ــــ اور دوسری باتیں بھی تسلسل کھو چکی ہیں۔ جیسے ہوا کے جھونکے آیا کرتے ہیں۔ ایسے ہی کوئی جملہ لپٹے کہے جانے والے وقت کے منظر کی لڑی میں لپٹا دھیان پر چھا جاتا ہے۔

اس بار آتے ہی تم نے اپنے ہاتھوں میں میرا ہاتھ لے لیا۔ اپنے کالج کی باتیں بتانے لگیں۔ تمھارا کوئی فنکشن ہونے والا تھا اور سکریٹری ہونے کے باعث ذمہ داریاں سب تم پر تھیں۔

میں پہلے سوسائٹی کے عقب میں خالی سڑکوں پر پھرا۔ تم میرے قریب، میرے ہاتھ کے حلقے میں آگئیں۔

ادھورے، گرتے اٹھتے جملے ــــ "ثروت ــــ میری ثروت ــــ" اور تمھارا سر ہلانا۔ شرارت سے مسکرانا۔

کلفٹن ــــ وہ میدان ــــ ہماری غیر ازدواجی محبت کی خوابگاہ ــــ وہاں پہنچتے ہی میں نے تمھیں اپنے آپ سے لپٹا لیا۔

"تم مجھے خراب کر دو گے ــــ" تم بولیں۔

"نہیں ــــ"

بار بار ہم نے بیٹھنے کے انداز بدلے ــــ کار کی نشست حرکات کو محدود کر دیتی ہے۔

میں نے جس طرف تم بیٹھی تھیں اس طرف کے دروازے پر سر ٹکا کر پاؤں سیٹ پر پھیلا لئے۔
اس طرح میں تمھاری گود میں تھا اور تم اپنا سر جھک کر میرے سینے پر رکھ سکتی تھیں۔
"شریر لڑکے ــــ" تم دونوں ہاتھ سے میرا چہرہ تھام کر بڑے پیار سے ڈانٹنے کے انداز میں
کہتیں ــــ "شریر لڑکے ــــ تو مجھے اس طرح کیوں گھور رہا ہے ــ" مجھے طمانچے مارتیں۔
ہونٹ دبا کر آنکھیں دکھاتیں۔

"ثروت ــــ ڈیر یسیٹ ثروت ــــ وعدہ کرو ــ" میں تم سے وعدے لیا کرتا۔
پتہ نہیں کون کون سے ــ وعدہ کرو تم ہمیشہ میری رہوگی ــ مجھ سے کبھی کچھ نہیں چھپاؤگی اگر
میری بھی نہ ہوسکو تو مجھ سے گفتگو کا رشتہ ضرور رکھوگی۔ میری باتیں مانوگی۔ اور ہر بات
کے جواب میں تم اپنے چہرے کو جنبش دے کر آنکھوں سے اقرار کرتیں۔

"مجھے پیار کرو ــــ" میں ضد کرتا۔
تم انکار کرتیں۔ تمھارا چہرہ اپنی طرف کرنا چاہتا تو تم ہلکی مدافعت کرتیں۔
"مجھ میں کیا خاص بات ہے ــ بتاؤ ــــ" میں نے کہا تھا۔
"تم اچھے ہو ــ"
"اور ــ"
"تم منے ہو ــ"
"اور ــ"
"تم اعظم ہو ــ"
"اور ــ"
"تم ثروت کے ہو ــ"

میں نے تمھیں بے تحاشا پیار کیا۔ پھر جب تم میری گود میں تھیں اور میرے ہاتھ تمھیں
اپنے دائرے میں لئے تمھارے سامنے تھے تو تم نے پوچھا۔ "یہ بتاؤ ــ جسم اور روح میں کیا فرق ہوتا ہے۔"

میں نے اپنے دونوں ہاتھ ملائے۔ جیسے دعا مانگتے ہیں۔" کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کی روح اور جسم الگ الگ ہوتے ہیں۔" پھر میں نے ایک ہاتھ کی نصف ہتھیلی دوسری پر رکھ دی۔" کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کی روح اور جسم ملے ہوئے ہوتے ہیں لیکن کچھ باتیں یا تو صرف روح سے متعلق رہتی ہیں یا صرف جسم سے۔" اب میں نے دونوں ہاتھ اوپر نیچے رکھ لئے۔" اور ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں ـــــ جیسے ہم ہیں۔ جن کی روح اور جسم میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ڈاپنے دماغ سے محسوس کرتے ہیں اور دل سے سوچتے ہیں۔"

ہم نے خدا، مذہب اور دوسری بنیادوں پر اپنے نظریئے ملائے۔

تم اپنے بھائی جان اور بھابھی کی تین تصویریں لائی تھیں۔ ایک میں تمھاری بھابھی شلوار پر جیسٹر پہنے کسی قدیم عمارت کے صحن میں کھڑی تھیں۔ دوسری میں دونوں ایک پہاڑی سڑک پر کھڑے تھے۔ پیچھے ان کی فیٹ کار تھی۔ تیسری تصویر کمرے کے اندر لی گئی تھی۔ تمھاری بھابھی پلوور پہنے اپنے شوہر کا بازو تھامے ہنس رہی تھیں۔

اس بار پھر تمھیں تمھارے گھر کے قریب اتارنا پڑا۔

رات میں نے سلیم سے باتیں کرتے ہوئے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر کوئی شعر لکھا تھا۔ پھر میں نے اسے چاک کر دیا۔ اسکے چھوٹے چھوٹے پرزے ایش ٹرے میں ڈال دئے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی، جب فون پر تم نے وہی شعر مجھے سنا دیا۔ تم نے ایش ٹرے میں سے وہ کرچیں نکال کر انھیں بڑی محنت سے جوڑا تھا۔

ـــــ فروری ـــــ میری ڈائری میں تم سے ملاقات کا نشان ہے ـــــ ساتھ میں لکھا ہے ـــــ " اداس باتیں۔"

چار دن سادے ہیں۔ سلیم سے ملاقات ہوتی رہی ہوگی۔

ـــــ فروری کو دوبار تم سے باتیں ہوئیں۔ اتوار کا دن تھا اور تم صبح ہی سے میرے فون کی منتظر تھیں۔ تمھارے ابا جان کے نام ان کے کسی دوست کا فون آیا تھا تو تم نے یہ جھوٹ بولا تھا کہ

وہ نہیں ہیں اس لئے کہ وہ فون کے پاس ریڈنگ کے لئے نہ آ بیٹھیں اور میرا فون انھیں ملے۔
میں تمسکار پور کالونی کے پٹرول پمپ سے بول رہا تھا۔ تم سے کسی بات پر ناراض تھا اور تم مجھے منا رہی تھیں۔
"اپنا منہ رسیور پر رکھو ——"
میں نے کہا۔ "رکھ لیا ——"
"نہیں —— جلدی رکھو ——" اور پھر ذرا وقفہ کے بعد چومنے کی آواز ——
"منہ کھولو ——" تم نے بعد میں کہا۔
"کیوں —— ؟"
"میں چاکلیٹ کھا رہی ہوں —— تم بھی کھاؤ —— یہ لو —— 'آ' کرو۔ اچھے پیارے بچے ۔ کیسا ہے —— ؟"
اب بھی یاد کرتا ہوں تو ان دنوں کی تفصیلات یاد نہیں آتیں۔ ظریف بُری طرح میرے معاملے میں دلچسپی لے رہا تھا۔ ہم رات گئے جمشید روڈ کے قرب و جوار میں ٹہل کر تمھیں پانے کے امکانات پر غور کرتے رہتے —— میں غیر جذباتی اور عملی بننے کی کوشش کرتا۔ ہر چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے —— میں ہمیشہ تم سے کہا کرتا تھا۔ ہر فیصلہ کرنے سے پہلے یہ بات تجارتی انداز میں سوچ لو کہ اسے نہ کرکے جو تکلیف ہوگی وہ زیادہ ہوگی۔ یا وہ دشواریاں، جو فیصلہ کے بعد پیش آتی ہیں۔ میں یہ چاہتا تھا کہ میری محبت تمھیں اس طرح اپنی گرفت میں لے لے کہ مجھے چھوڑنا تمھاری زندگی کا سب سے مہنگا سودا بن جائے اور مجھے پالینے کی ہر چوٹ میری محبت کے مرہم سے ٹھیک ہو جائے۔
تمھیں پالینا میری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ بن گیا تھا۔ کوئی موہوم سی ترکیب ذہن میں آتی تو لگتا ساری گتھیاں سلجھ گئی ہیں۔ پھر ایک آدھ دن میں حقائق کی دھوپ توقع کی اس کونپل کو خاکستر کر دیتی۔ ایک رات میں نے سوچا۔ کیوں نہ تم اپنے خاندان کے چنے ہوئے مرد

سے شادی کر لو۔ پھر اس سے طلاق لے کر میری ہو جاؤ۔ میں تمھیں پانے کے لئے یہ بھی برداشت کر لوں گا۔ میں نے سوچا شاید میں تمھیں یہ سمجھا سکوں۔ فون پر میں نے تم سے جلد ملنے کیلئے کہا۔

"کچھ بہت ضروری باتیں ہیں۔"

"ابھی بتاؤ۔"

"ابھی نہیں بتائی جا سکتیں ۔۔ ملو۔"

تم نے کبھی میری جذباتی منتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔ ملاقات کا دن کچھ اور آگے بڑھا دیا۔ میں ناراض ہوا تو مجھے منانے لگیں ۔ محبت بھری باتیں کرنے لگیں۔ تم نے بتایا کہ تم مختلف بہانوں سے اپنی سہیلیوں سے میری تعریفیں کرتی رہتی ہو ۔ وہ شعر سنایا۔

ہزار ضبطِ محبت کے باوجود اے دوست
مرے لبوں پہ ترا نام آ ہی جاتا ہے

ہماری تیسری ملاقات ۔۔ فروری کو ہوئی۔ میں اس ملاقات کے لئے بیتاب تھا لیکن یہ ہماری سب سے ناگوار ملاقات تھی۔ تمھاری طبیعت خراب تھی۔ تم بیزار سی تھیں۔ کیونکہ ہم صبح جلد ملے تھے اسلئے ہمیں سکون سے ایک جگہ رک کر بات کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ تنہا جگہوں پر گئے۔ میں نے تمھیں اپنی آغوش میں لیا۔ لیکن ہر بار تم نے مجھے پرے ہٹا دیا۔

ہم کار میں اِدھر اُدھر بے مقصد بھٹکتے رہے۔ سوسائٹی کے پیچھے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے گرداگرد گھومنے والی غیر ہموار سڑکوں پر ہم نسبتاً چپ چکر لگاتے رہے۔

"تم راستہ بھول گئے ہو۔" ایک جگہ تم بولیں ۔ "بتاؤ یہ سڑک کہاں جاتی ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔ لیکن اگر یہ سڑک کسی بنگلے پر ختم ہوتی ہے تو یہ تمھاری سڑک ہے اور اگر کسی صحرا میں کھو جاتی ہے تو یہ میری ہے۔"

تم نے کوئی جواب نہ دیا۔ تم جانتی تھیں یہ سچ ہے۔

"میں ان کی چھوٹی بہن بول رہی ہوں —" میں نے تمھیں پہچان لیا۔
"کونسی چھوٹی بہن — وہ جو ایک بے ہودہ لڑکی ہے اور مجھ سے لڑتی ہے؟"
"وقت کی بات ہوتی ہے۔ اب نہیں لڑے گی۔"

کچھ دنوں بعد ایک دوپہر تم نے فون پر مجھے اپنے بہت سے شعر سنائے۔ تم کچھ دیر پہلے اپنی شاعری کی کاپی دیکھ رہی تھیں۔ میں نے فرمائش کی کہ تم اپنی غزلیں مجھے لکھدو۔ اپنے ساتھیوں میں تو تم شاعرہ مشہور تھیں۔ ویسے تمھاری صرف دو تین غزلیں چھپی تھیں۔ ایک وہ تھی۔

تلخیٔ غم سے چین پایا ہے — جب سے اپنا انھیں بنایا ہے
ہم سے تردت یہ فیصلہ نہ ہوا — کس نے کھویا ہے کس نے پایا ہے

دل کی گہرائی میں چھپے ہو تم
آنسوؤں نے تمھیں بلایا ہے

تم نے ہر غزل اور نظم کا ابتدائیہ مجھے بتایا تھا۔ ایک آزاد اور جھجکانہ سی نظم تم نے اسکول کے آخری دنوں میں کسی صاحب کی محبت میں کہی تھی۔ وہ تمھارے ابا جان کے دوست تھے۔ اور شاید تمھارے وجود سے بھی بے خبر رہے۔

اسی ہفتہ تم سے ملاقات ہوئی۔ تم اپنی شاعری کا انتخاب لائی تھیں۔ وہ گنی چنی نظمیں اور غزلیں تم نے رات دو بجے تک میرے لئے صاف کی تھیں۔ رومان پسند لڑکیوں کی طرح تم نے انھیں "پرانے گیت — پرانے سپنے" کا عنوان دیا تھا۔

وہ کاپی ہاتھ میں لیتے ہی میں نے سب سے پہلے اپنے لئے تمھارے انتساب کی تلاش کی۔ کاپی کے سب سے آخری صفحہ پر تم نے لکھا تھا۔

I CARE NOT FOR THE STARS THAT SHINE
I DARE NOT HOPE TO EVER BE THINE

ہم نے کلفٹن کا ایک چکر لگایا۔ میں نے مستقبل کا موضوع چھیڑا۔

"اعظم —" تم نے بغیر میری طرف دیکھے کہا۔ "میں پاگل ہو جاؤں گی — میں تمھارا انتظار نہیں کر سکتی —"

تمھارا اشارہ ان باتوں کی طرف تھا جو تمھیں میرے لئے ناقابل حصول بناتی تھیں۔

"اگر یہ فیصلہ تمھارے ہاتھ میں ہو ثروت — اگر تم اور صرف تم کسی کو چنو تو کیا تم مجھے چنوگی؟"

"ظاہر ہے —"

"لیکن کیا ہم کبھی —"

"نہیں —"

میں نے نہ جانے کیا کیا باتیں کی تھیں۔ آواز میرے حلق میں خراش پیدا کرکے نکل رہی تھی۔ سامنے کی چیزیں جیسے بھیگے ہوئے شیشے کے پیچھے متحرک تھیں۔

"لیکن تم میری ہو —"

ہم نے خوف سے ایک دوسرے کی طرف بھی نہیں دیکھا۔ میں نے ایکبار پھر تمھیں یاد دلایا کہ اگر تم ایم اے کر لو تو ہمیں دو سال مل جائیں گے اور ان سالوں میں کچھ نہ کچھ کر لوں گا۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ ہمیں بہرحال کوشش کرنا چاہئے۔

تم بہت بے لطف ہو چکی تھیں۔ میری باتوں کا جواب دئے بغیر تم چپ بیٹھی تھیں۔ تھوڑی سی لڑائی بھی ہوئی تھی۔ واپسی پر میں نے تمھیں جمشید روڈ کے پیچھے ایک چھوٹی سی سڑک پر چھوڑا۔ تم فاطمہ جناح کالونی میں اپنی سہیلی سعیدہ کے گھر جانا چاہتی تھیں۔ ہم نے خدا حافظ بھی نہیں کہا۔

شام کو میں نے تمھارے گھر فون کیا — "سلیم ہیں —" میں نے حسب معمول پوچھا تم خود میری آواز پہچان کر بات شروع کرتی تھیں۔

"جی نہیں —" مجھے شک ہوا تم ہو۔

"کون بول رہا ہے —"

I ONLY KNOW I LOVE YOU

LOVE ME AND THE WORLD WILL BE MINE !

ابتدا میں ایک آزاد نظم تھی۔ (چاندنی راتوں میں) جس کا اختتام تھا۔

تیری راہوں کو ڈھونڈنے والے

تیرے ہر غم سے پیار کرتے ہیں

اس کے بعد "ایک مسافر کے نام ــ" اسکول کے دنوں کی دوسری نظم۔ ایک "اچھے مسافر" سے شکایت تھی کہ وہ تمھیں پیار کی راہیں دے کر دوراہے پر چھوڑ گیا۔ پھر "خزاں "۔ "نقوش ماضی۔" غموں سے محبت کرنے والی خود پسند لڑکی کے نوحے ــ ایک دو نظمیں سہیلیوں کے ناراض ہونے پر بھی تھیں۔ ایک نظم تھی ــ "کے حضور ــ"

کتنی تصویریں خیالوں میں اُبھر آتی ہیں

چاند اٹھتا ہے تو یادیں تری ڈس جاتی ہیں

اپنے کالج کی اُردو لکچرار کے لئے بھی کچھ قطعات تھے۔ ان کی شادی جن صاحب سے ہوئی تھی وہ تمھارے ہم نام تھے۔

شمسہ کی بڑی بہن کی شادی کے لئے تم نے ایک نظم لکھی تھی۔ ایک صاحب انھیں اپنے عشق میں گرفتار چھوڑ گئے تھے۔ تقریباً پندرہ غزلیں تھیں۔ کچھ اچھی ــ باقی معمولی ــ یہ تمام کی تمام تم نے مجھے جاننے سے پہلے کہی تھیں۔ ایک گیت تھا جو یقیناً ہمارے تعلق سے بعد کا تھا

تیری یاد چلی آئی ہے ـــ میرے دل میں بن کر دلہن

ضبط کے دامن چھوٹ گئے ہیں ـــ موتی سے کچھ ٹوٹ گئے ہیں

اور ــ آنسو کے لے کر نذرانے ـــ کومل نازک ، میرا من

تیرے دوارے آیا ہے ـــ من جاؤ روٹھے ساجن

اپنی آشاؤں کے گیت ـــ تجھ کو آج سناؤں گی

دل کے داغ دکھا کر چھلیا　　کچھ روؤں گی، گا دوں گی

اُس پوری کاپی میں ایک عجیب طرح تمھاری محبت کا اظہار تھا جسے میں نے گھر آ کر نوٹ کیا۔ تمھارا ایک شعر تھا۔

یہ تو معلوم تھا تم ہمارے نہیں

پھر بھی بزمِ تصور سجاتے رہے

یہ شعر تم نے اس طرح لکھا تھا لیکن بعد میں تم نے 'تم' کے اوپر دوسرے پین سے 'وہ' لکھ دیا۔

یہ تو معلوم تھا وہ ہمارے نہیں

ہماری یہ ملاقات جس دن ہوئی تھی ہم کلفٹن نہیں گئے تھے۔ سوسائٹی کے پیچھے ایک کچی سڑک کے ٹکڑے پر میں نے کار کھڑی کر دی تھی۔ تم نے برقعہ اتار کر پچھلی سیٹ پر ڈال دیا تھا اور پوری طرح میری باہوں میں تھیں۔

مجھے یاد نہیں ہم نے کتنی باتیں کیں۔ تم چاہتی تھیں میں تمھاری کوئی غزل زور سے پڑھوں۔ میں نے کچھ شعر پڑھے لیکن تمھیں دیکھنے ــــ دیکھتے رہنے کی چاہت میں میں نے کاپی پیچھے پھینک دی۔ تم نے اپنے پیر میرے پیروں پر رکھ دیے اور میں نے تمھیں اپنے سینے سے لگا لیا۔ تمھیں پیار کیا۔ ایک بار میں نے اپنے ہونٹ تمھارے ہونٹوں سے ہٹائے تو تمھارا نچلا ہونٹ کانپتا ہوا دیکھا۔ تم نے ہونٹ کھول کر تیز سانسیں لیں اور میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

"مجھے پیار کرو۔"

تم نے کہا ــــ "لاؤ میں تمھارے ماتھے کو چوموں۔ میرا پیار تمھارے ماتھے پر چمکتا رہے اور سب لڑکیاں دور سے دیکھ لیں کہ تم میرے ہو ــــ کوئی تمھارے پاس نہ آئے۔"

تم نے اپنے ہاتھوں سے میرا سر اٹھایا اور ہونٹ پھیلا کر میرا ماتھا چوما۔

"جب تم ہمارے گھر آتے ہو تو میں صحن میں پاگلوں کی طرح ٹہلتی رہتی ہوں۔"

تمھارے بال بکھر گئے تھے اور تمھاری آنکھوں میں خواہش کی خاموش پکار تھی۔

"تم اتنے بڑے فاتح ہو کہ تم نے ایک ایسی روح کو فتح کیا ہے جس کی تخلیق میں بڑے ریاض سے کام لیا گیا تھا۔"

"اب تم میری ہو؟"

"ہاں۔"

مجھے ایسا لگا جیسے تم بدل رہی ہو۔ اسی طرح ایک دن یہ فیصلہ کرو گی کہ تم میری بن سکتی ہو۔ اگلی ملاقات میں، جو ایک ہفتہ بعد ہوئی، تم نے بغاوت کے واضح اشارے دیے۔ سوسائٹی کے عقب میں مختصر ہم آغوشیوں کے بعد ہم ایرپورٹ کی طرف گئے۔ راستے میں ہم نے گھر بسانے کے خواب دیکھے۔

"تم کسی بے آباد جگہ ۔۔۔ خراب مکان میں اکیلی رہ سکتی ہو؟"

"بالکل اکیلی ۔۔"

"نہیں ۔۔۔ میرے ساتھ۔"

"ہاں۔"

میں نے بتایا کہ میں جب چاہوں دو ڈھائی سو روپے کی نوکری تو کم از کم کر ہی سکتا ہوں۔ اتنے پیسوں میں بہت سے لوگ رہتے ہیں۔ اگر سنبھال کر خرچ کیا جائے ۔۔۔ ہفتہ میں صرف ایک فلم ساتھ دیکھ لی جائے۔

"اس کی بھی کیا ضرورت ہے۔۔" تم نے کہا۔

ہم نے ریل گزرتی دیکھی۔ میں نے کار روک لی۔ ریل کے سفر سے اپنی دیرینہ الفت کا ذکر کیا۔

"کبھی ہم ریل میں ایک ساتھ سفر کریں گے۔"

"ہاں۔"

"ابھی ۔۔ انھیں دنوں ۔۔۔ ملیر تک تو جایا ہی جا سکتا ہے۔"

تم میرے لئے چاکلیٹ لائی تھیں۔ سوسائٹی میں اپنے پڑاؤ کے دوران میں نے ایک ٹکڑا دانتوں میں دبا کر تم سے کہا کہ نصف تم اپنے دانتوں سے کاٹ لو ۔۔۔ جو خط میں تمہارے لئے کتاب میں رکھ آیا

میں نے حسبِ معمول تمھیں تمھارے گھر کے نزدیک چھوڑا۔

"ڈارلنگ ۔۔۔" تم نے رخصت ہوتے وقت بے خود ہو کر کہا۔ خدا حافظ۔"

انھیں دنوں میں نے اپنے پیغام تم تک پہنچانے کے لئے یہ ترکیب اپنائی تھی کہ میں الماری کی ایک کتاب "پیٹرنز آف کلچر" میں اپنی پرچیاں رکھ دیتا۔ اس طرح چوری چھپے تمھارے ہی گھر میں تمھارے لئے کچھ رکھ دینا مجھے اتنا اچھا لگتا تھا کہ میں ہر بار جب سلیم سے ملنے جاتا کسی نہ کسی طرح تمھارے لئے کوئی تحریر ضرور چھوڑ آتا۔

ملاقات کے دو دن بعد میں نے تمھارے انتسابی قطعے کے جواب میں لکھا۔

LOOK ABOVE AT THE STARS THAT SHINE

AND TELL ME DEAR YOU HOPE TO BE MINE

YOU KNOW I LOVE YOU, ONLY YOU

HAVE ME AND THE WORLD WILL BE THINE

اگلے دن مجھے ہلکا بخار ہو گیا۔ اور میں نے گھر بیٹھ کر تمھارے نام ایک طویل خط لکھا۔

شام کو فون پر تمھیں مجسّم محبت پایا۔

"جو کچھ میں نے لکھا تھا تمھیں ملا۔"

"ہاں ۔۔۔ تمھیں ہر چیز پر کتنی قدرت حاصل ہے۔"

تمھاری آواز شدید تاثر رکھتی تھی۔

"میں نے تمھیں ایک خط لکھا ہے ۔۔۔ اگر آیا تو رکھ دوں گا۔"

"میں بھی رات کچھ لکھ رہی تھی۔"

"کیا ۔۔۔"

"تمھارے متعلق ۔ لیکن صرف ایک جملہ لکھ سکی۔"

"سناؤ۔"

تھا وہ تم اس دن واپس لائی تھیں۔ وہ خط تم نے سب سے چھپ کر آدھی رات کو پڑھا تھا اور
گھنٹوں روتی رہی تھیں۔
"کس لیئے ___؟"
"میں بھی تو تمھارا ایک حصّہ ہوں۔"
خط میں نے اس یقین کے ساتھ لکھا تھا کہ ہم کبھی ایک دوسرے کو نہ پاسکیں گے۔ لکھتے وقت
مجھے بخار تھا۔ باہر بارش ہو رہی تھی ___ میں نے لکھا تھا۔
"میرے اندر بھی مینہ برس رہا ہے۔ پانی زمین پر بہہ رہا ہے۔ سرد ہوائیں چل رہی ہیں اور میں اپنے
تصور کی راہوں میں پاگلوں کی طرح بھٹک رہا ہوں۔ لیکن تم کسی راستے پر نہیں ملتیں۔ اس سے بڑا ظلم
کیا ہو سکتا ہے کہ میں تصور میں بھی تمھیں اپنا نہیں سکتا۔ یہ سوچتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ ہم ساتھ ہیں۔ ہم زندہ
ہیں۔ ہم محبت کر رہے ہیں یہ دنیا کی بہت بڑی فتح ہے۔ میں اس ساری دنیا کو جو سمجھ میں نہ آنے
والی چیزوں کا مرکب ہے اس کی اس شاندار کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ (اور ___ آگے ___)
میں اس وقت بہت جذباتی ہو رہا ہوں اور بغیر کسی کا خیال کیے کہہ رہا ہوں کہ تم میرے پاس آجاؤ۔
میں کچھ نہیں سوچ سکتا۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ میری روح ___ میرا سارا وجود تمھیں بلا رہا ہے۔ تم کیسے
آؤ گی۔ کب آؤ گی۔ میں نہیں جانتا۔ میں اگر اپنی عقل سے مرعوب ہو کر چپ بھی رہوں تب بھی میرے
اندر سے میری ساری زندگی تمھیں پکارے گی ___ پکارتی رہے گی۔ ناسمجھ۔ ضدی۔ فضول زندگی ___"
تم نے فرمائش کی تھی کہ میں اس خط کے کچھ حصے خود پڑھ کر تمھیں سناؤں۔ میں نے اسے تمھارے
ہاتھوں سے لے کر جیب میں رکھ لیا اور تمھارے بھرے بھرے بازو تھام کر اپنا سر تمھارے سینے سے لگا دیا۔
"یہ بتاؤ تم میری ہو۔"
تم میرے بالوں سے کھیلتی رہیں۔ میرے بال تمھیں بہت اچھے لگتے تھے۔
"ان میں سے ایک خاص خوشبو آتی ہے۔ کبھی کبھی میں گھر میں بیٹھی ہوتی ہوں تو اچانک تمھارے
بالوں کی خوشبو کہیں سے آجاتی ہے۔ لگتا ہے تم میرے پاس ہو۔"

تقریباً ڈھائی گھنٹے بعد تم نے گھر جانے کے لئے ضد شروع کی۔ تم سے ہر ملاقات اور ہر گفتگو کے لمحے مجھ سے چھینے گئے ہیں اور ہر بار صرف ایک بات اور کہہ دینے یا ایک پیار اور لے لینے کی استدعا پر رخصتی کا وقت بڑھا ہے۔

کار سے اترتے وقت تمھارا پیار بے پناہ ہوا کرتا تھا۔

"ڈارلنگ ــــ" تم نے کہا ــــ "ہزاروں پیار ــــ"

اسی ہفتہ میں نے ایک اخبار میں نوکری کر لی۔

تمھیں یہ خبر سنانے کے لئے فون کیا تو تم مل نہ سکیں۔ غلط نمبر بتا بتا کر تھک گیا مگر تمھاری آواز نہ سنائی دی۔

ایک دن۔ دو دن ــــ چار پانچ دن گزر گئے۔ میں تمھیں اپنا فون نمبر دینا چاہتا تھا۔ اب تم مجھے بھی فون کر سکتی تھیں۔

طرح طرح کے وسوسوں نے مجھے ستایا۔ ایک دو بار تمھارے گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ اس خاص کتاب میں پیغامات چھوڑے۔ تمھاری آواز سننے کی ناکام خواہشیں لئے سلیم کے کمرے میں بیٹھا رہا۔

آخر میں ساجدہ کی مدد طلب کی۔ اس نے کسی معمولی سی بات کا سہارا لے کر تمھارے نام ایک خط لکھا میرے اصرار پر جواب دینے کا شدید مطالبہ بھی شامل کیا۔ میں یہ خط لے کر تمھارے گھر گیا۔

سلیم نے تمھارا جواب اندر سے لا کر دیا۔ جو میں نے واپسی پر پہلا موقعہ ملتے ہی راستے کی روشنی میں پڑھا۔ تمھارے پاؤں میں چوٹ لگ گئی تھی اور تم تقریباً معذور پڑی تھیں۔ تمھارا لہجہ غمگین تھا۔ میری حرکت کو سمجھتے ہوئے تم نے میرے لئے واضح اشارے کئے تھے ("سارے ننھے منوں کو میری طرف سے خوب خوب پیار کیجئے گا۔")

پھر بہت دنوں بعد تمھارا رس بھرا سلام سنا تو جی بھر آیا جیسے تمھیں کہیں سے گود میں اٹھا لائے صرف آواز کی ڈوری سے بندھی ہونے کے باوجود وہ قربت کس قدر سچی تھی۔

میں نے ایک سانس میں پوری باتیں بتا دیں۔ تم اداس، مگر میری باتوں، میری محبت کی اسیر لگ

رہی تھیں۔ ہمیشہ کی صورت تم بہت جلد خدا حافظ تک آپہونچیں۔

"میں تمہارے پاس ہوتا تو ابھی تمہارا ہاتھ تھام لیتا کہ فون نہ رکھو۔"

"میرا بس چلے تو میں ساری زندگی فون پر بیٹھی تم سے باتیں کرتی رہوں۔"

"بس چلے تو بس یہی کروگی — میرے پاس نہیں آجاؤگی —"

"میں پہلے پاگل ہوجاؤنگی —" تم نے ہلکے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"پھر کیا کروگی۔"

"میں سب کو گالیاں دونگی۔ چیزیں توڑ دونگی۔ سب مجھ سے تنگ آجائیں گے اور گھر سے نکال دینگے — میں سیدھی تمہارے پاس آجاؤں گی۔"

"وعدہ کرو۔"

"ابھی نہیں — ابھی جانے دو۔"

اگلے دن دفتر تمہارا فون آیا۔ گو اس کے بعد اکثر تم مجھے فون کرسکتی تھیں تم نے بہت کم ایسا کیا۔ تمہاری توضیح یہ ہوا کرتی تھی کہ فون کے آس پاس لوگ رہتے ہیں۔ موقعہ نہیں ملتا۔ اس وقت تمہارا فون آیا تو ڈھنگ سے کوئی بات نہ ہوسکی۔ مصروفیت کا وقت تھا۔ اور میرے اطراف وہ لوگ تھے جنھیں میں نے مکمل طور پہ جانا بھی نہیں تھا۔

شام پام گروو سے میں نے فون کیا اور کافی باتیں ہوئیں۔

تم سے ملاقات ہوئی۔ اس بار اور اسکے بعد میں نے جہانگیر روڈ سے ملنے والی ایک سڑک پر تمہارا انتظار کیا اور تم گھر سے سیدھی پیدل وہاں تک آئیں۔

میں تمھیں 'پی' کہا کرتا تھا کیونکہ لالے کا پھول انگریزی میں 'پوپی' کہلاتا ہے (سلیم کی ایک ڈکشنری میں اس لفظ کے ساتھ پھول کی تصویر تھی جسے تم نے لال رنگ سے رنگا تھا۔)

اس دن آتے ہی تم نے یہ اطلاع دی کہ تم نے بھی میرے لئے نام چن لیا ہے۔ بیلی — یہ تم نے اپنی کسی سہیلی کے گھر سنا تھا۔

"ببلی ــــ میرے پیارے ببلی ۔"

میں تمھارے لئے 'میرے بھی صنم خانے' لے گیا تھا۔ یہ ناول تمھیں بہت پسند آیا تھا۔

کافی عرصے بعد ہم کلفٹن گئے ــــ تم نے اپنا برقعہ اتار کر پیچھے ڈال دیا۔ خود میرے قریب کھسک آئیں۔

میں تمھاری گود میں لیٹ گیا۔ تم میرا چہرہ تھپتھپاتی رہیں۔ جھک کر اپنے آپ میرے ہونٹوں کا طویل بوسہ لیا۔ تمھاری محبت کا اظہار بڑا عجیب ہوا کرتا تھا۔ تقریباً ہر وقت تمھیں اپنے آپ پر قابو رہتا۔ کبھی کبھی تم ڈگمگا جاتیں ــــ وعدے کرنے لگتیں۔ پھر اچانک سنبھل جاتیں۔ تمام باتوں سے تمھاری اندرونی کشمکش کی جھلک ملتی۔ تم میرے قریب آتیں۔ میرے بازوؤں میں یوں سمٹ جاتیں جیسے تمھیں اور کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ تم پر نیم بے خودی کی حالت طاری ہو جاتی۔ پھر تم اپنی ڈوبتی ہوئی قوتِ ارادی کا سہارا لے کر میرا چہرہ اپنے ہاتھوں سے دور ہٹانے کی کوشش کرتیں۔

" نہیں اعظم ــــ نہیں ــــ نہیں ــــ "

میں اپنی گرفت مضبوط کر دیتا۔ تم سر ڈھلکا کر اپنا ہونٹ کاٹتیں۔

" اب میں تم سے کبھی نہیں ملوں گی ــــ " تم جھنجھلاہٹ میں کہتیں۔

میری محبت کا اظہار ہمیشہ غیر معمولی رہا۔ میں نے سب سے پہلے ہی اپنی انا تمھارے حوالے کر دی۔ یہ میری ناتجربہ کاری تھی یا بے بسی لیکن میں نے اپنا ہر فیصلہ تمھیں دے دیا۔ ہر وہ تجویز جسے تمھاری منظوری نہ ملی، ناتمام رہی۔ جیسے وہ تصویر والا معاملہ تھا۔ تم بہت پہلے اپنا گھر یلو البم لائی تھیں ــــ (اس میں تمھاری بچپن کی ایک تصویر سلیم کے ساتھ تھی۔ پانچ چھ سال کا سلیم ٹب میں کھڑا تھا۔ اور تم گڑیا میتنی اس کے پاس تھیں) تمھاری باجی۔ بہنوں اور سہیلیوں کی تصویروں کے علاوہ اس میں تمھاری لائے کے پھول والی تصویر تھی۔ جو ٹیلو کے درمیان لی گئی تھی۔ اس تصویر میں تم بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔ میں نے وہ تصویر مانگی تو تم نے وعدہ کر لیا کہ دوسری کاپی مجھے دے دوگی۔ تمھارا ایک تازہ پورٹریٹ بھی تھا جو تم مسلسل کئی ملاقاتوں میں اپنے پرس میں

لائیں لیکن میں نے تمھاری درخواست پر اسے نہیں لیا۔ لالے کے پھول کی تصویر بھی مجھے کبھی نہیں ملی۔ تم شاید محتاط ہوگئیں۔ یہ تمھاری دور بینی تھی کہ تم دستاویزی شہادتیں نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں میرے نام خط تم نے اسی لیے نہیں لکھے۔ آخر میں تم نے کہا کہ تم ساجدہ کو اپنی تصویر دوگی۔ اسی طرح وہ مجھ تک پہنچے تو اچھا ہے۔

کبھی کبھی مجھے غصہ آتا کہ تم مجھ پر بھروسہ کیوں نہیں کرتیں۔ لیکن تم بہت جلد مجھے بہلالیتیں ملاقاتوں میں بہت بے ربط باتیں ہوتیں۔ ایک دوسرے سے دور گزارے ہوئے وقت کا ذکر ہوتا۔ چپ رہتے تو ایک دوسرے کو دیکھا کرتے۔ ابتدائی دست درازیوں کے بعد ایک دوسرے سے لگ کر سر جھکائے بیٹھے رہتے۔ ادھورے جملے گفتگو بنتے۔

"میں نے ایک خواب دیکھا۔" تم کہتیں۔

"سناؤ۔"

"ایک سیڑھی سی ہے ـــــ میں اس پر چڑھتی جا رہی ہوں۔ تم میرے پیچھے پیچھے آرہے ہو۔ اوپر ایک چبوترہ سا ہے۔ میں وہاں سے نیچے کود جاتی ہوں اور تم بھی میرے پیچھے ـــ"

"ثروت۔"

"ہوں۔"

"ہم ہر وقت ساتھ کیوں نہیں رہ سکتے؟"

"نہیں رہ سکتے۔"

"چلو ـــ کہیں بھاگ چلیں۔"

"چلو ـــ" ہم بیٹھے رہتے۔ ایک دوسرے کے جسم کی نرمی سے لگے۔

"تمھیں سمندر سے محبت ہے۔"

"ہے۔"

"ہم ہاکس بے رہیں گے۔ مسلسل کئی دن ـــ اکیلے ـــ"

"تم میرا ستیاناس کردو گے۔"

"مجھے دیر ہوگئی —" تم تھوڑی دیر بعد کہتیں —"امّی ناراض ہوں گی۔"

ہم اسی طرح کلفٹن کی طرف نیچے "سی بریز" تک جاتے۔ پرانے کلفٹن کا ایک چکر لگاتے۔ گویا وہ علاقہ ہماری محبت کی تحویل میں ہو۔

رخصت ہونے سے پہلے تم پرس میں سے کنگھی نکال کر اپنے بال درست کرتیں۔ اپنا ربن باندھتیں برقعہ اٹھاتیں۔ یاد ہے ایک بار میں نے تمھیں باہر کھڑا کرکے تمھارے برقعے کے بٹن لگائے تھے۔؟

یہ میری تمنّا تھی کہ ہم ساتھ سڑکوں پر چلیں۔ ساتھ دوکانوں میں داخل ہوں اور روزانہ ضروریات کی چیزیں چنیں۔ میں نے کئی بار کوشش کی کہ تم کسی دور کی کتابوں کی دوکان میں میرے ساتھ چلو اور اپنے لئے کوئی کتاب پسند کرو۔

ہماری محبت کو عام مرد عورتوں کی محبت کی طرح ہونا چاہئے تھا۔ ہم بیشتر وقت بہت عقلمند اور دوسروں سے مختلف و برتر بننے کا کھیل کھیلتے رہتے تھے۔ یونیورسٹی میگزین کے پروگرام میں میں ریڈیو پر ایک مباحثہ میں شریک ہوا تھا۔ کچھ موضوع (معاشیات) میری پہنچ سے باہر تھا اور کچھ میں بھی مایوس کن رہا تھا۔ نسیم نے سلیم کے کمرے میں بیٹھ کر اس سلسلے میں نکتہ چینی کی جو تم نے سنی۔ مجھے بڑی مسرت ہوئی جب تم نے عام عورتوں کی طرح نسیم کو بُرا بھلا کہا۔

"وہ ہوتا کون ہے ایسی باتیں کرنے والا۔"

میں نے تمھیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"میرا جی چاہا میں اندر جا کر اس کا منہ نوچ لوں — بڑا آیا۔"

(اسی طرح کی دوسری باتیں اب میری یاد کے احاطے کا پھول ہیں)

اگر میں اپنی محبت کو مختلف ادوار میں تقسیم کروں تو میں ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ کے وقفے کی اپنی پانچ

چھ ملاقاتوں کو ایک الگ عنوان دوں گا۔ ان تمام ملاقاتوں میں تم اُداس لیکن میرے بس میں رہیں۔ اس زمانے میں فون پر زیادہ باتیں نہ ہوئیں۔ اور ایسا بھی ہوا کہ میں نے فون نہ کیا تو تمھیں شکایت ہوئی۔

ہمارے امتحان بہت قریب آ گئے تھے اور ایک دو ملاقاتیں تو صرف اس کتاب کی وجہ سے ہوئیں جو تمھیں چاہیئے تھی۔ اور غلط نام یاد رکھنے کی وجہ سے مجھے کافی دنوں اسکے چکر میں گھومنا پڑا تھا۔

ایک بہت اہم بات، جس کا تم پر گہرا اثر ناگزیر تھا، اس دور کے ابتدا میں ہوئی۔ تمہارے گھر میں کوئی ہنگامہ ہوا۔

تم سے فون پر مایوس کن باتیں ہوئیں۔ میں نے اپنے 'ڈاک خانے' میں ایک طویل رقعہ چھوڑا انگریزی کے چھوٹے چھوٹے بہت خوبصورت جملے ـــ یہ کہ تمھارا حزن اور ملال ہی میری محبت کا سب سے بڑا اثاثہ ہیں۔ ان کی وجہ سے مجھے تم سے اور زیادہ محبت ہے یہ تمام باتیں ـــ یہ چوٹیں ہمیں سکھاتی ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے لئے کس قدر اہمیت رکھتے ہیں۔ اور یہ کیوں ہماری زندگیوں کی سب سے بڑی خوش قسمتی ہے کہ ہم نے ایک دوسرے کو جانا ہے۔

ان دنوں تمھارے گھر کا ماحول کافی ناموزوں تھا۔ تم اپنی امی سے کسی بات پر خفا تھیں اور ضدی تم بہت تھیں۔ ان دنوں تمھاری اپنی امی سے بول چال بند رہی۔

اس کے بعد تم ملیں تو مجسّم حزن تھیں۔ تمھارے گھر کے قریب سوسائٹی میں میں نے تمھارا استقبال کیا اور تم نڈھال ہو کر بیٹھ گئیں۔ آہستہ سے سلام کیا۔ میں نے پیار سے تمھارا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اُسے چوما۔

"اعظم ـــ" تم نے کہا۔ "مجھے کہیں لے چلو ـــ میں گھر واپس نہیں جاؤں گی۔"

میں نے تمھیں بہت پیار سے اپنے قریب کر لیا۔ اور تم نے اپنا سر میرے کاندھے پر رکھ دیا۔ میں نے دلاسے دئیے۔ سمجھایا۔ اگر تم اپنا امتحان پاس کر لو اور ایم۔ اے میں داخلہ لے لو تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اپنا ایک گھر الگ لے لوں گا۔ اور ہم ساتھ رہیں گے۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گی ـــ" تم نے کہا ـــ اکثر کہا کرتی تھیں ـــ "تم نہیں جانتے اعظم۔

میں بہت تنگ آچکی ہوں۔"

میں کیا کرتا ــــــ؟

گو میں تم سے اتنی محبت کرتا تھا کہ ساری دنیا تمھارے قدموں میں ڈال دیتا۔ اتنی کہ اپنی ساری زندگی تمھیں بھینٹ دے دیتا۔ اتنی کہ میرا سارا وجود اس کی آگ میں سلگ رہا تھا ــــ پھر بھی۔ پھر بھی ثروت ــــ میں کیا کرتا ــــ؟ کیا کر سکتا تھا ــــ؟

کلفٹن کے میدان میں، میں نے تمھیں اپنے بازوؤں میں لے لیا۔"جب تم میرے پاس ہوتی ہو تب تو تمھیں تکلیف نہیں ہوتی۔؟"

تمھاری شوخی دھیرے دھیرے واپس آگئی۔ تم نے مجھے سیٹ پر لیٹ جانے دیا۔ میرا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

"سو جاؤ ــــ پیارے مُنّے۔"

تمھیں ماں بننے کا شوق تھا۔ اور یہ بات تمھیں خوب یاد رہتی تھی کہ تمھاری ایک واقف لڑکی نے خودکشی کی دھمکی دے کر اپنی پسند کی شادی کی تو اس کے بہت تندرست خوبصورت لڑکا پیدا ہوا۔ ایک بار تم نے خواب میں دیکھا تھا کہ تم ہسپتال میں سفید چادروں میں چھپی لیٹی ہو اور ایک لڑکے کی ماں بن چکی ہو۔

ہم پتہ نہیں کیا کیا کرتے رہے۔ تمھیں کار چلانے کا شوق تھا۔ میں نے تمھیں اپنے اسقدر قریب کر لیا کہ تم ایکسیلیریٹر پر پاؤں رکھ کر اسٹیرنگ موڑ سکو۔ ہم نے پورے میدان کے ایک دو چکر لگائے۔ تم میری رفاقت میں بہت مسرور تھیں۔

میں نے اپنے دفتر کا حال بتایا۔ تم وہاں آنا چاہتی تھیں ــــ "دیکھوں تم کیسے لگتے ہو میز پر بیٹھ کر کام کرتے ہوئے ــــ چھوٹے سے، ننھے منّے سے۔"

میں نے اپنے ایڈیٹر سے تمھارا ذکر کیا تھا اور وہ یہ جان کر متعجب ہوئے کہ میری گرل فرینڈ برقعہ اوڑھتی ہے اور میرے ساتھ فلم دیکھنے نہیں جا سکتی۔

"جب میں زہر کھاؤں گی تو سیدھی تمھارے دفتر آجاؤں گی اور تمھارے پاس آکر دم دوں گی
تم اپنے ایڈیٹر کو بتانا یہ میری گرل فرینڈ ہے۔"
شمیم غزالی کے فرضی نام سے میری ایک نظم چھپی تھی اور یہ راز سلیم کے علاوہ صرف تم جانتی تھیں

اب نہ تڑپا مجھے، میرے دل، میرے دل
آ انھیں بھول جانے کی کوشش کریں

تم نے اس نظم کو پسند کیا تھا۔ میرے افسانے زیرِ بحث آئے تھے۔ "ایسی باتیں تم کیسے لکھ لیتے ہو۔
تمھیں کون بتاتا ہے ـــــ" تم نے میرا گال ہاتھ سے دبا کر کہا تھا۔
ہم اپنے ساتھیوں، اچھے لوگوں کی باتیں کرنے لگے۔ میں نے کہا تھا اچھے لوگ تو دنیا میں بہت سے ہیں لیکن وہ سب ملتے نہیں۔ لوگوں سے ملنا۔ انھیں پہچاننا ایک طویل اور دشوار مرحلہ ہے۔ پھر ایک دفعہ جب جان لیا جائے وہ زندگی کا حصہ بن جاتا ہے۔ اسے چھوڑا بھی نہیں جا سکتا۔ ممکن ہے میرے لئے تم سے کوئی اچھی لڑکی موجود ہو۔ تمھارے لئے کوئی مجھ سے زیادہ مناسب لڑکا ہو۔ لیکن ہم راہ چلتے لوگوں کو روک کر ان کے ساتھ آزمائشی طور پر کچھ کچھ دنوں رہ کر تو اپنا ساتھی نہیں ڈھونڈ سکتے۔ یہ تو بالکل ناممکن ہے۔

تم بولیں ـــــ "مجھے دوسرے لڑکوں سے کوئی مطلب نہیں۔ میرے لئے صرف تم ہو (واپسی پر ہم کلفٹن کے پل پر سے اتر رہے تھے) تمھارے علاوہ میں کسی کو نہیں جاننا چاہتی۔"
تمھیں رخصت کرتے ہوئے میں بلاوجہ طیش میں تھا۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے، میں نے کہا تھا، کہ جس کے لئے ہم ہر لمحہ پریشان رہتے ہیں۔ اُس سے ملتے ہیں تو صرف چند گھنٹوں کے لئے۔ نہ کوئی بات ہو پاتی ہے نہ طبیعت سیر ہوتی ہے۔ آخر کار تمھیں تمھارے گھر کے نزدیک کہیں اتار دینا پڑتا ہے۔ تم اترتے اترتے پیار کے کچھ جملے کہتی ہو۔ کوارٹروں کے پیچھے کی کسی گلی میں جاتے جاتے مڑ کر مجھے دیکھتی ہو پھر اپنے محفوظ، بند گھر میں پہنچ جاتی ہو۔
تم سے فون پر ملاقاتیں بہت کم ہو گئیں۔ اس ملاقات اور اگلی (آٹھ روز بعد) کے دوران

صرف ایک بار فون پر تمھیں پا سکا۔ مختصر باتیں ہوئیں۔
(فون دراصل ہماری کہانی کا ایک کردار ہے۔ بڑی ایکینوں نے میرے لئے وہی حیثیت حاصل کر لی تھی جو محبت ناموں کی ہوتی ہے۔)
اب بھی تمھارے گھر میں ہر بار کوئی نہ کوئی شعر ــ جملہ ــــ پورا خط کسی کتاب میں ضرور چھوڑ آتا تھا۔ ایک بار کافی عرصہ تمھیں فون پر نہ پانے کے بعد میں نے لکھ دیا۔

تم سے الفت کے تقاضے نہ سنبھالے جاتے
ورنہ ہم کو بھی تمنا تھی کہ چاہے جاتے

تم بہت ناراض ہوئیں۔ جیسے میں نے تمھاری محبت کی توہین کی ہو۔
اگلی ملاقات (ــ اپریل) صرف اس لئے ہوئی تھی کہ میں تمھارے لئے وہ کتاب خرید لایا تھا جس کی تمھیں ضرورت تھی۔ اس میں تقریباً سارے اردو شاعروں کا تذکرہ اور نمونۂ کلام تھا۔ تم نے مجھے بڑا انتظار کرایا تھا۔ کوارٹروں کی کھڑکیوں سے عورتوں نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔
تمھارے انتظار میں میں نے اس کتاب کے سب سے آخری صفحہ پر کچھ لکھا تھا۔ (پی۔ اس کتاب میں بہت سے حساس لوگوں کی محبتوں کے اقرار ہیں۔ لیکن محبت کے جتنے پھول اس کتاب میں جمع ہیں اس سے زیادہ تو میں نے صرف تمھارے لئے اپنے پیار کی دہلیز پر بچھائے ہیں ــ بلی)
تم آئیں ـــــ تم نے آخری صفحہ چاک کر کے بڑی حفاظت سے اپنی گردن کے نیچے اڑس لیا۔
"لکھا مت کرو۔" تم کہتی تھیں ــــ "محسوس کیا کرو۔"
میں تمھیں لئے ڈرگ روڈ سے ہوتا ہوا کلفٹن آ گیا۔
"تم مجھے بہت تنگ کرتے ہو ـــ" تم نے شکایت کی۔ "میں تم سے نہیں ملوں گی۔"
"اگر تم میری ہو تو بالکل میری ہو۔"

"نہیں ــــ"

"پھر کس کی ہو؟"

"پتہ نہیں۔"

تمھارے موڈ ہواؤں کی طرح آتے تھے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ ہم میدان کے درمیان ایک دوسرے سے الگ بیٹھے ہیں۔ تم ناراض ہو اور باہر دیکھ رہی ہو۔ میں چپ چاپ تمھیں گھور رہا ہوں۔ پھر کچھ دیر بعد تمھیں مجھ پر بے حد پیار آ رہا ہے۔ تم شرارت سے مسکرا رہی ہو۔ میں تمھارا ہاتھ تھامتا ہوں تمھارے قریب سرک آتا ہوں۔ تم بغیر کسی مدافعت کے میری گرفت میں آجاتی ہو۔

"بلی ــــ" تم ڈانٹتیں ــــ "شریر لڑکے ــــ تو اتنی بدتمیزی کیوں کرتا ہے۔ تیری ماں سے جاکر کہوں گی اور تیری خوب پٹائی ہوگی ــــ"

اپنی ملاقاتوں میں دنیا زمانے کی باتیں ہوتیں۔ ذکی کا کہیں معاشقہ چل رہا تھا۔ اور اس لڑکی سے ملنے کے لیے اس نے سلیم سے تمھارے دوسرے مکان کی کنجی مانگی تھی۔ جو پروگرام بنا تھا میں نے تمھیں اس کی اطلاع پہلے ہی دیدی تھی۔ اور اس واقعہ کے روز تم سب کچھ جان گئی تھیں۔ خود ذکی اور ان کی محترمہ نے بھی راز تقریباً فاش کر دیا تھا۔ ایک رات جب ذکی اور سلیم امتحان کی تیاری کر رہے تھے اور تم ان کے لیے چائے لے کر گئی تھیں۔ تو سلیم نے تمھیں اندر بلا لیا تھا۔ تم نے ذکی کے معاشقے پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ تم نے کہا تھا اگر تم خود کسی سے اس طرح جاکر ملو تو وہ دونوں کیا کہیں گے۔ دونوں نے برجستہ کہا انھیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

"پھر میں سلیم کو بتادوں۔"

"نہیں۔"

"کیوں ــــ ؟"

"انھیں اچھا نہیں لگے گا۔"

"مجھ سے اچھا لڑکا وہ تمھارے لیے کہاں سے لائے گا؟"

"تم انھیں نہیں جانتے۔"

"پھر ہمارا کیا بنے گا ۔۔۔؟"

اس سوال سے ہم دونوں بہت ڈرتے تھے۔ تم نے سنجیدگی سے کبھی آنے والے دنوں پر بحث نہ کی تھی۔ میں خود پانی کی بنیادوں پر عمارت بناتا تھا ("لوگ تمھیں بیگم ثروت اعظم سلطان کہیں گے اور چند سالوں بعد تم گڑیوں کی نمائش اور کالجوں کے مباحثوں کا افتتاح کیا کروگی۔")

تمھاری محبت پر یقین کے باوجود میں جانتا تھا کہ تمھارے گھر نے تمھیں وفاداری کے آہنی سلاسل سے باندھ رکھا ہے۔ تمھارے ابا جان کی احمقانہ خودسری نے تم سب کو اپنی امی سے قریب ترین کر دیا تھا۔ تم سب کے لئے تمھارے ابا ایسی علامت تھے جس سے بغاوت کی جاتی ہے اور تمھاری امی ایک ایسا مقدس وجود جس کے آگے سجدے کئے جاتے ہیں۔ مصیبت یہ تھی کہ تمھاری امی کے لئے روایات کی سربلندی سب سے مقدم فریضہ تھا۔ یہ تمھیں نے تو بتایا تھا کہ تمھارے بھائی جان نے اپنی جوانی کے دنوں میں اپنی کسی کزن سے محبت کی تھی۔ تمھاری باجی بھی کسی کے متعلق سوچا کرتی تھیں۔ تمھاری امی نے غیر معمولی چابکدستی سے خاندان میں ایسی شادی کرادی کہ یہ یک وقت بھائی جان اور باجی کی محبتیں چھن گئیں۔ بقول تمھارے تمھارے بھائی جان صحن میں چارپائی پر لیٹ کر بہ آواز رویا کرتے تھے۔ اور امی کہا کرتی تھیں جان سے ماردوں گی اگر آواز نکالی۔

تمھاری قربت میں میں ان باتوں پر کم دھیان دیا کرتا تھا۔ تم پاس ہوتیں تو صرف اسلئے کہ تمھیں پیار کیا جائے۔ تیئس سال کی اوسط زندگی میں ملے ہوئے ان چند گھنٹوں کے ایک ایک لمحہ میں اپنا دل چھپا دیا جائے۔

"میری ثروت ۔۔۔" میں ہار کر کہتا ۔۔۔ "میں نہیں جانتا میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ بار بار تم سے یہی کہنے کو جی چاہتا ہے کیونکہ میں جانتا ہوں تم یہ بات بھول جاؤگی ۔۔۔"

تم میری قربت کی آگ سے سلگتے ہوئے چہرے کو ہلا کر انکار کر دیتیں۔ تمھاری کھوئی ہوئی کہر آلود آنکھیں مجھے یوں دیکھتیں جیسے مجھے خدا حافظ کہہ رہی ہوں۔

میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ میں نے دیکھا تھا تم اپنے مکان کے باورچی خانے میں فرش پر بیٹھی چاول بین رہی ہو۔ اور تمھاری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ وہاں کوئی نہیں ہے ___ میں سیدھا تمھارے پاس جاکر، جھک کر اپنے ہونٹوں سے تمھارے آنسو پونچھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

وہ دن صرف سوالوں کے دن تھے۔ چھلاووں کی طرح سوال ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اتنی تیزی سے سامنے آکر اوجھل ہو جاتے تھے کہ جواب دینے کی کوشش بھی بیہودہ تھی۔

"میں نے ایک نظم لکھی ہے ___" ایک رات تم نے اطلاع دی۔ تم رات پڑھتے پڑھتے تھک گئی تھیں اور تم نے کچھ یہ لکھا تھا۔

میں کہیں دور ___ بہت دور چلی جاؤں گی

تم جہاں میرے تصوّر کے سہارے بھی کبھی آنہ سکو

___ اپریل سے امتحانات شروع ہوئے۔ ہر مضمون کے لئے بہ مشکل ایک دو دن پڑھائی ہو سکی۔ امتحان کے دوسرے پرچے کے دن تم سے ملنا طے تھا۔ یہ ہمارے اس دور کی آخری ملاقات تھی۔ میں نے نمائش کے قریب تمھیں اپنی کار میں بٹھایا۔ اسی محبت سے تم ملیں۔ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیدیا۔ ہم دو گھنٹے سے زیادہ ساتھ رہے۔ بچوں جیسی باتیں ہوئیں۔ تمھیں پیار کیا۔ تمھیں سینے سے لگایا۔ تمھیں تنگ کیا اور تم تھکی ہاری میری باہوں میں اکھڑی سانسیں لیتی رہیں۔

میرے امتحان کافی دن چلے۔ ایک پرچہ کے لئے تمھیں میرے لئے کہیں سے نوٹس حاصل کرنا تھے۔ میں شام کو تمھارے یہاں گیا۔ تم نے ایک کاپی اور ساجدہ کے نام ایک خط لفافہ میں رکھ کر بھجوایا۔ اس میں میرے نام بھی ایک پرچہ تھا۔ لفافہ بند کر کے تم نے پھر کھول دیا تھا کہ کہیں میں اسے بغیر کھولے ساجدہ کو نہ دے دوں۔ انگریزی میں تم نے لکھا تھا۔ "بی (ببلی کے لئے) میں تمھارے لئے بہت فکرمند ہوں۔ آج بہرصورت ہماری بات ہونا چاہیئے ___ امتحان کے لئے میری طرف سے بہترین تمنائیں ___ پی ___"

اسے پڑھتے ہی میں نے تمھیں فون کیا۔ لیکن وہاں تمھارے ابا جان تھے۔
تمھارے امتحان بھی شروع ہو گئے ۔ تم سے گفتگو بمشکل ہفتہ میں ایک آدھ ہو پاتی۔ کبھی بہت جی چاہا کہ تم سے کچھ کہوں۔ تم ملو۔ لیکن امتحانات کے دوران یہ مشکل تھا۔ اور فون پر تمھیں پانا محض قسمت کی بات تھی۔
ایک پیر صبح صبح تمھارا فون آیا۔ اتوار کے دن تمھیں میں بیحد یاد آیا تھا اور تم نے چاہا تھا کہ اسی وقت مجھے رنگ کرو۔ پھر خیال آیا کہ اتوار ہے میں دفتر میں نہ ہوں گا۔ ہم کافی دیر باتیں کرتے رہے۔
"اگر مجھ سے ملنے کو جی چاہتا ہے تو میرے پاس آ کیوں نہیں جاتیں۔ ؟"
"تمھارے پاس آنا تو ایک لمبا پروگرام ہے ——"
"نہیں —— ابھی آؤ۔"
"اچھا —— آرہی ہوں۔"
"کہاں۔"
"تمھارے دل میں۔"
دو چار دن خاصی باقاعدگی سے باتیں ہوئیں۔
پھر ایک شام (—— مئی) ایک اجنبی آواز نے فون کا جواب دیا۔ ایسا لگا جیسے گھر میں کافی لوگ ہیں۔
"سلیم کو بلا دیجئے۔" میں نے کہا۔
انھوں نے بتایا کہ سلیم کے کسی قریبی عزیز کے انتقال کا تار آیا ہے۔ ویسے وہ خود گھر میں نہیں ہے۔
یہ مختصر زمانے میں تمھاری قسمت پہ دوسری کاری ضرب تھی۔ تمھارے لئے میرا دل مچل گیا میں بہت دور تک پیدل چلا۔ میں نے اپنے آپ کو تھکا کر چور کر دیا۔

دوسرے دن صبح اتفاق سے تمھیں نے فون اٹھایا۔ روتے روتے تمھاری آواز بدل گئی تھی۔ حفاظتاً میں نے سلیم کو پوچھا۔

"وہ یہاں نہیں آ سکتے ـــــ یہاں عورتیں ہیں۔"

"ثروت۔"

"جی۔"

"ثروت ـــــ مجھے معلوم ہے۔"

تم اچانک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"ابھی نہیں ثروت ـــــ ابھی نہیں ـــــ تم اپنے آنسو بھی میرے لئے بچالو۔ اگر رونا ہے تو میرے پاس آکر رونا ـــــ اکیلے نہیں ـــــ۔"

میں نے ساجدہ کو تمھارے پاس بھیجا۔ خود سلیم کے پاس جاکر بیٹھا۔

اس حادثہ سے کچھ ہی دن قبل تمھارے پھوپھا تمھارے پڑوس میں آ گئے تھے اور دو مکانوں کے بعد رہ رہے تھے۔ ایک کزن بھائی (تم سے دو تین سال بڑا) اور دو تین بہنیں ـــ ان سب کی قربت سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ تم بہل گئیں۔ لیکن ہماری دوری اور بڑھ گئی۔ فون پر تمھارا ملنا اس لئے محال تھا کہ تم تقریباً ہر وقت اپنے پھوپھا کے گھر ہوا کرتی تھیں۔ چھٹیوں کے دن تم کیرم اور لوڈو کھیل کر گزار رہی تھیں۔ مجھ سے گفتگو کا اوسط ہفتہ میں ایک تھا۔ ملاقات کی بھی کوئی صورت نہ تھی ان دنوں تمھیں کہیں باہر نہ جانا چاہئے تھا۔

یہ دن یاد ہی نہیں آتا کیسے گزرے۔ سلیم سے ملنا ہوتا تھا دیر دیر تک ہم ساتھ بیٹھے رہتے تھے۔ تمھارے گھر اکثر میں چائے کے لئے ضد کیا کرتا تھا۔ اور کئی بار تم نے صرف میرے لئے چائے بنائی تھی۔

تمھارے کزن بھائی سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ ہر اس شخص کو دیکھ کر میں سلگ اٹھتا جو سیدھا تمھارے گھر کے اندر جا سکتا ہو۔ مجھے تمھارا رشتہ دار ہونا چاہئے تھا۔ یہ فاصلے تو بہت ہیں کہ نہ

کسی کے ذریعے تمھیں بلایا جاسکے اور نہ تم خود آسکو۔

ایک دو بار تم سے پیاری پیاری باتیں ہوئیں۔ تم شعر سناتیں۔ اپنے گھر کی باتیں کرتیں۔ تم نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں تمھارے ہی گھر میں تمھیں گود میں لئے بیٹھا ہوں اور کسی اور کمرے میں محسنہ کسی اور کے ساتھ ہے۔

—— جون کو ہم مل سکے۔ دو گھنٹے ہم ساتھ رہے میں کار لئے بھٹکتا رہا۔ لیکن یہ ملاقات اتنی گرمجوشی کی نہ تھی۔ میری دست درازیوں میں کمی ہوئی تھی۔ تمام وقت میں تم سے شکایتیں کرتا رہا تھا۔ تم ملتیں نہیں —— تم سے بات نہیں ہو پاتی۔

"اب تو میں تمھارے پاس ہوں —" تم مجھے بہلاتیں۔

"ابھی تمھیں دیر ہونے لگے گی۔ پھر تم نہ جانے کب ملوگی۔"

"جب پھر موقعہ ملے گا۔"

مجھے غصّہ آتا تھا۔ میں چاہتا تھا تم میرے لئے کچھ کرو۔ جھوٹ بولو۔ کسی کو دھوکہ دو۔ دوسروں کو نظر انداز کرکے مجھ سے ملو۔ اس ملاقات کو دوسری چیزوں سے اہم سمجھو۔

لیکن تم بہت محتاط۔ اور مضبوط۔ اور اپنے تئیں بہت عقلمند تھیں۔ تمھیں تو اپنی قوتِ برداشت پر ناز تھا۔

"میں ایسی ہوں جیسا گہرا کنواں۔"

اور میں کہتا تھا —"تم میرے مقبرے پر بھی اپنی قوتِ برداشت کا کتبہ لگانا۔"

"جذباتی مت بنو —" تم بہت عجیب انداز میں، ادا سے کہتیں۔ "کتنے اچھے ہو تم"

تم میرا سر سہلاتیں —"سو جاؤ —" تم اپنی گود میں رکھے میرے سر پر ہلکا طمانچہ مارتیں۔ تمھیں نیند بہت آیا کرتی تھی نا —— اور میں رتجگے منایا کرتا تھا۔ میں اسی لئے کہتا تھا کہ جب ہم ساتھ سفر کریں گے تو تم سویا کرنا اور میں جاگ کر پہرہ دیا کروں گا۔

"اپنے آپ کو مصروف رکھو —" تم مشورہ دیتیں۔

"اور ــــ"

"اچھے اچھے کام کرو ـــــ خوب تندرست ہو جاؤ۔ میرا کہنا بالکل نہیں مانتے۔ وعدہ کرو۔ تم ورزش کرو گے۔"

"اور کیا کروں؟"

"مجھے بھول جاؤ۔"

"تم مجھے بھول سکتی ہو ـــــ؟"

"پتہ نہیں ـــــ"

مجھے یہ احساس ہو چلا تھا کہ اپنے آپ کو پوری طرح تمھارے حوالے کر کے میں نے غلطی کی ہے۔ میں خود کتنا ہی ثابت قدم، نڈر اور علمی سہی۔ میری وہ شخصیت جو تم سے محبت کرتی تھی نرم، اور ناسمجھ تھی۔

یہ فیصلہ تو میں نے بعد میں کیا کہ ہر وہ شخص جس سے پاگلوں کی طرح محبت کی جائے ایسا بن جاتا ہے کہ جواباً ایسی جنوں انگیز محبت نہ کر سکے اور ہر وہ شخص جو کسی کو دیوانگی سے چاہے، اس قابل نہیں رہتا کہ اسے متوازن رہ کر چاہا جائے۔ یہ ایک ایسا المیہ ہے کہ اس پر دیوتاؤں کو ماتم کرنا چاہیے ویسے مجھے یقین تھا کہ میری چاہت نے تمھارے احساس کی ہر سرحد کو چھوا ہے۔ یہ میری قسمت تھی کہ تمھارے خاندان کی فصیل گہری بنیاد رکھتی ہے۔

ملاقات کے بعد پورے تیرہ دن تم سے کوئی بات نہ ہو سکی۔ اپنے دفتر میں میں خاصا مصروف رہا۔ پھر بھی تمھاری دوری نے بہت دکھ دیا۔ اکثر میں فون کرتے کرتے تھک جاتا۔ تم اپنے رشتہ کے بہن بھائیوں کے ساتھ رہتیں۔ یا تمھیں موقعہ نہ ملتا۔

انھیں دنوں ہمارے ایک دوست کی مشکوک حالات میں موت ہوئی۔ زیادہ لوگوں نے اسے خودکشی کہا۔ جس دن اس نے دم توڑا اسی دن تم نے میرا فون اٹھایا۔ تم بڑے پیارے سے لیں ڈھنگ سے باتیں کیں۔ اتنے دنوں غائب رہنے کی معافی مانگی لیکن جلد رخصت ہونا چاہا۔

"ہم بیلی سے کہہ رہے ہیں ــــــ بیلی ہمیں جانے دو ــــــ"

"نہیں ۔"

"بُری بات ہے۔ سب گھر میں موجود ہیں۔"

"میں کیا کروں ۔"

"پھر کسی دن ــــــ پلیز ــــــ"

تم نے خدا حافظ کہہ دیا۔

محرم کے دن تھے اور ایک دن تمھاری امّی وغیرہ کہیں مجلس میں گئی ہوئی تھیں جب میں سلیم اور کچھ دوست مکان کے اندر، دالان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے چائے بھی بنائی تھی۔ تم پڑوس میں اپنے پھوپھا کے یہاں تھیں۔ ایک بار پچھلے دروازے سے اندر آئیں تو مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ تم بہت مضمحل اور بے چین نظر آئیں۔ دوسرے لوگوں کو دیکھ کر تم واپس چلی گئیں۔

اس طرح تمھیں دیکھ لینا ــــــ دیکھ لینا اور بات نہ کر سکنا۔ میرے لئے قیامت ثابت ہوا۔ میں ذرا دیر وہاں نہ ٹھہر سکا۔

دو روز بعد مجھے اس کتاب میں ایک کاغذ ملا۔ جس پر صرف ایک شعر لکھا تھا۔

کوئی چٹکی سی کلیجے میں لئے جاتا ہے
ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے

فون پر تم ملیں اور تم نے ملنے کا وعدہ کیا۔ میں نے مقررہ وقت اور مقام پر تمھارا انتظار کیا۔ تم نہیں آئیں ــــــ ایک گھنٹہ ــــــ دو گھنٹے ــــــ تین گھنٹے گزر گئے۔

شام کو تم فون پر کچھ بھی نہ کہہ سکیں۔ کوئی بات ہو گئی تھی۔ اور اس کی تفصیل تم نے مجھے نہیں بتائی۔ میں اپنے الجھے ہوئے جذبات لئے رات گئے تک سڑکوں پر پھرتا رہا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہر چیز میرے ہاتھوں سے سرکتی محسوس ہوتی تھی۔ میں فیصلہ کرنا چاہتا تھا

تھا۔ کوئی فیصلہ ــــ کوئی ایسی بات جو مجھے امکانات کے خوف سے بچالے۔ شکوک کی اس تاریکی میں سلیم مجھے روشنی کی طرح واضح اور راہبر نظر آتا۔

ہماری ملاقاتوں کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا جب تم نے وعدہ وفا نہ کیا تھا۔

میں نے چاہا کہ میں سلیم کو اپنا رازدار بناؤں۔ یہ میرے لئے آسان تھا۔ ضروری بھی تھا لیکن تم نے ہمیشہ اسکی مخالفت کی تھی اور ظاہر ہے میں مشعل تمھارے ہاتھ میں دے چکا تھا۔

کئی دنوں تم سے بات نہ ہو سکی۔ دفتر کے ہنگامے مجھے دن میں مصروف رکھتے۔ کبھی کبھی شام کو کسی تقریب میں جانا پڑتا۔ جہاں میں سب سے الگ اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا اور خود اپنے آپ پر رحم کھایا کرتا۔

پھر ایک دن تم سے بات کرنے کا موقع ملا۔ تم نے نہ آنے کی معافی مانگی۔ اپنی مجبوریاں بتانے لگیں۔

"پھر کب ملوگی ــــ" میں نے بے تاب ہو کر پوچھا

"بہت جلد۔"

میں تم سے بہت کچھ کہنے کے لئے مرا جاتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ تم یہ آخری فیصلہ کرلو کہ تم میری ہو۔ میں ابتداء سے اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھتا تھا کہ تم میرے لئے اپنا گھر چھوڑ دوگی ــــ کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جو بہرحال قائم رہتے ہیں۔ بھائی بہن سب آخر میں مان جاتے ہیں۔ پھر ایسے فیصلے تو امتحان ہوا کرتے ہیں۔ وہ جو اہم ہیں۔ وہ جو محبت کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ ساتھ دیتے ہیں۔ لیکن یہ تمام باتیں جس طرح سلجھے ہوئے انداز میں میرے ذہن میں آتیں میں تمھیں کبھی نہ بتا پاتا۔ تمھارے سلسلے میں جو باتیں میں نے سب سے گہری محسوس کیں وہ اب تک اظہار کی دسترس سے باہر ہیں۔

تم دراصل میرے اور حقائق کے درمیان ایک پل تھیں۔ میں دنیا کی بے ثباتیوں اور سچائیوں کی چاک دامنی سے واقف تھا۔ مجھے ہر جستجو کا انجام معلوم تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ میں تمھاری

محبت کو اپنا عقیدہ بنا کر دنیا کے پتھراؤ سے بچ جاؤں گا۔ مجھے صرف اپنی محبت کی سچائی پر یقین تھا۔ بذات خود محبت کا وجود یا عدم وجود میرے لئے کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ میں اپنی محبت کو فریب بھی سمجھ سکتا تھا لیکن یہ میرے لئے آخری سہارا تھا۔ میں سوچتا تھا کہ اگر میں تمھیں ایک پل کے لئے بھی یہ بتا سکا کہ میرے جذبات عام ہونے کے علاوہ کتنے مختلف بھی ہیں تو تم کبھی مجھ سے دور نہ جاؤ گی۔ تم مجھے میری ساری محرومیوں اور بدقسمتیوں سے بچا لوگی۔

ایک بار پھر تم نے ملنے کا وعدہ کیا۔

ایک بار پھر تم نہیں آئیں۔

میں تمھارا انتظار کرتا رہا۔ کرتا رہا۔ یہ میں جانتا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو لیکن یہ محبت دوسری چیزوں سے اتنی جلدی ہار کیوں جاتی تھی؟

میرا نتیجہ نکلا ــــ (سکنڈ ڈویژن)

میں نے کئی دن تمھیں فون نہ کیا تھا۔ تم سے ناراض ہونے کی کوشش کی تھی۔ نتیجہ کے دو چار دن بعد میں نے بے قابو ہو کر تمھارا نمبر ڈائل کیا۔

تمھارا مخصوص، رس بھرا سلام سننے کو ملا۔

"میں بہت خوش ہوں ــــ تمھارے اتنے اچھے نمبر آئے ہیں۔"

سلیم یونیورسٹی سے میرے نمبر نکلوا کر لایا تھا اور اس وقت تم ان کا حساب لگا رہی تھیں۔ کچھ مضامین میں واقعی اچھے نمبر تھے۔

تم نے جی کھول کر مبارک باد دی۔

"مجھے یقین نہیں آتا۔" تم بولیں۔

"اگر تم میری ہو جاؤ تو میں کبھی، کسی چیز میں فیل نہیں ہو سکتا۔"

تم نے جھٹ ملنے کا وعدہ کیا۔

دوسرے دن صبح دفتر تمھارا فون آیا۔ ہم اسی دن ملنے والے تھے۔ تم نے کسی مجبوری کی وجہ

سے اُسے ایک دن آگے بڑھا دیا۔ تمھاری طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہ تھی اور تم اپنے گھر کے بہت قریب مجھ سے ملنا چاہتی تھیں۔

—— جولائی کو میں نے کوارٹروں میں سے تمھیں کار کی طرف آتے دیکھا۔ سیاہ برقعہ میں ڈھکی۔ اپنی پُروقار چال چلتی ہوئی تم بہت نفیس لگیں۔ میں نے کار آگے بڑھا کر تمھارے قریب ذرا دیر کو روکی۔

"ہائے اللہ۔ کتنے سویٹ لگ رہے ہو۔" تم نے میرا ہاتھ اپنی گود کی طرف کھینچ لیا۔ "یہ لو تمھارے پاس ہونے کا تحفہ۔"

خوشبو سے بسے چھوٹے رومال میں گلاب کا ایک تازہ پھول۔

میں نے اسے لے کر اپنے ہونٹوں سے لگایا۔

"یہ ہمارے گھر کے گلاب کا پہلا پھول ہے۔ پتہ ہے میں تم سے اُس دن کیوں نہیں ملی تھی —— ؟ میں اس پھول کے کھلنے کا انتظار کر رہی تھی۔"

میں نے نم آنکھوں سے تمھاری طرف دیکھا۔ ٹریجڈی یہ تھی کہ تم مجھ سے محبت کرتی تھیں ٹریجڈی یہ تھی کہ ہمارے لئے ایک دوسرے سے دور ہو جانے کا کوئی بہانہ نہ تھا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے جیسے تم مجھ سے دور ہوتی جا رہی ہو۔"

"میں جانتی ہوں تم یہ کہوگے۔"

اس دن ہم کلفٹن نہیں گئے۔ میں نے تمھیں سوسائٹی کی وہ سڑکیں دکھائی جہاں میں تمھارا تصور لئے ٹہلا کرتا تھا۔

ایک جگہ میں نے کار روکی۔

"اپنا ہاتھ لاؤ ——" اور پھر تم نے چاندی کا ایک چھلّا اپنے ہاتھ میں سے اتار کر میرے بائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنا دیا —— "یہ بھی تمھارے لئے ہے۔"

تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور وہ چھلّا تم نے خاص طور پر صفیہ کے ہاتھ صدر سے منگوایا تھا۔

چھلاّ دے کر تم مجھے چوٹ دے گئیں۔ میں زمانے سے یہ سوچا کرتا تھا کہ کسی دن تمھیں میں سونے کی ایک انگوٹھی پہناؤں گا۔ اور وہ ہماری منگنی کی انگوٹھی ہوگی۔

"میں اسے ہمیشہ پہنے رہوں ــــ؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"لوگ پوچھیں گے تو میں ان سے کہوں گا یہ میری منگنی کا چھلاّ ہے۔"

"کہہ دینا۔"

تم بہت کمزور لگ رہی تھیں۔ تمھارے چہرے پر زردی تھی۔ تم نے التجا کی تھی کہ میں تمھیں تنگ نہ کروں اور میں نے بہت نرمی سے تمھارا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر تمھیں پیار کیا تھا۔

چھوٹی چھوٹی جو دوسری باتیں تم سے ہوا کرتی تھیں۔ احساس کی شدّت میں کھو کر یاد سے مٹ چکی ہیں۔ ذہن میں تسلسل کے بغیر تصویریں بنتی ہیں۔

تم پیار میں میرے بالوں سے کھیل رہی ہو۔ تم اس گیت کے بول سنا رہی ہو جو تمھیں پسند آیا تھا۔ (مجھ کو اس رات کی تنہائی میں آواز نہ دو) صرف تمھارا چہرہ تصوّر کے چوڑے پردے پر چھایا ہوا ہے اداس مگر مسکراتا چہرہ۔ کھوئی کھوئی سی آنکھیں۔ میں تمھیں بتا رہا ہوں کہ تم کس قدر یاد آتی ہو۔ میں کتنا بے بس ہوں، تمھارے ہونٹ کھلے ہیں۔ تم کچھ نہیں کہتیں۔ میری طرف جھک جاتی ہو۔

"بیلی ــــ"

محبت کا وہ سارا بچپنا ــــ بے چین ہاتھوں کی مسافتیں۔ اور ــــ بالآخر ــــ رخصت۔

"خدا حافظ ــــ ڈارلنگ ــــ" تم نے کہا۔

اس کے بعد کافی دنوں تمھارا پتہ نہ چلا۔ تمھارا نتیجہ آیا (تھرڈ ڈیویژن) صرف اس بات سے بے پناہ خوشی ہوئی کہ تم پاس ہوگئی ہو۔ اور یونیورسٹی میں داخلہ لے سکتی ہو۔ تمھارے ابا جان نے تمھارے ایم۔ اے کرنے کی سخت مخالفت کی مگر سلیم کی ضد نے انھیں نرم کیا۔ صفیہ نے باقاعدہ

انھیں یہ پٹی پڑھائی کہ یونیورسٹی میں لڑکیاں اور لڑکے بالکل الگ الگ رہتے ہیں۔
پتہ چلا تم ایم۔ اے کروگی۔
مجھے بڑا سکون ہوا۔ میں نے سوچا اب تم حاصل کی جا سکتی ہو۔
ان دنوں کے جذبات ایک مستقل اور گہرے احساس کا حصہ تھے۔ اس لئے واقعات کے تنوع کے باوجود ہر بات ایک ہی رنگ کا عکس رکھتی ہے۔
تمھارا داخلہ کافی مشکل تھا۔ جس مضمون میں تم داخلہ چاہتی تھیں اس میں تمھارے نمبر خاصے کم اور درخواستیں سیٹوں سے بہت زیادہ تھیں۔
ایک دوبار تمھارے یونیورسٹی جانے کا علم ہوا۔ یہ سوچ کر کہ تم یونیورسٹی گئی ہوگی۔ پہلی بار مجھ میں رقابت کا جذبہ پیدا ہوا۔ تم وہاں جاؤگی اور سب تمھیں دیکھیں گے۔ وہ تمھارا نام معلوم کرینگے تم سے ملنا چاہیں گے۔ تمھارے متعلق غلط فہمیوں میں پڑیں گے۔
پتہ نہیں تم فون سے دور دور کیوں رہنے لگی تھیں۔
تمھارے داخلے کا چکر چل رہا تھا کہ ملنے کا طے ہوا۔ وہیں جہاں ہم سب سے پہلی بار ملے تھے۔ میں نے تمھاری راہ دیکھی۔ تم نہیں آئیں۔
میں بہت تلملایا۔ بے تاب ہوا۔ تڑپا۔ اسی وقت تمھیں فون کیا۔ تمھارا پتہ نہ چلا۔ بعد میں تم نے بتایا کہ اس وقت تمھارا داخلہ گھر میں زیر بحث تھا۔ ابا جان کچھ ناراض تھے اور انکار کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ تم اپنے بستر پر پڑی رو رہی تھیں۔
— اگست کو تم نے فون پر بتایا کہ تم دوسرے دن یونیورسٹی جانے والی ہو۔ اور اگر میں کسی بہانے کار لے کر تمھارے گھر آسکوں تو اچھا رہے۔ تم مجھے دیکھنا چاہتی تھیں۔
میں نے ساجدہ کو راضی کیا کہ وہ یونیورسٹی کا کوئی کام نکالے۔ ہم دونوں تمھارے گھر گئے تمھارے کمرے کے قریب کار کھڑی کی۔ تمھاری امی نے ہمیں دیکھا اور ساجدہ کو ڈرائنگ روم میں بلا لیا۔ سلیم کپڑے بدل رہا تھا۔ میں باہر کار کے قریب اکیلا کھڑا رہ گیا تو تم نے اور صفیہ نے اندر

سے جھانکا۔ کسی بات پر ہنس دیں۔

ہوا یہ تھا کہ صفیہ نے مجھے دیکھ کر تم سے کہا کہ میں بہت اسمارٹ لگ رہا ہوں اور کیونکہ سلیم اپنے کمرے میں ہے اور ساجدہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہے۔ اس لئے تم پچھلے دروازے سے نکل کر چپکے سے میرے ساتھ بھاگ جاؤ۔

ہم ساتھ یونیورسٹی گئے۔ سلیم کسی کام سے اپنے ڈپارٹمنٹ چلا گیا۔ ہم تینوں کچھ دیر ساتھ رہے۔ یہ ہماری بے تکلف ملاقاتوں کے بعد پہلا موقع تھا کہ ہم دوسروں کے سامنے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے صرف موقعہ ملنے پر دوسرے کو دیکھنا اور سامنے ہونے کے بعد بھی اتنی دور ہونا ناقابل برداشت ہوا جا رہا تھا۔

میں تم سے الگ ہو کر کینٹین گیا۔ کچھ لوگوں سے ملا۔ تمھارے داخلہ کا سلسلہ پھر ٹل گیا۔ تمھارا برقعہ کار میں تھا اور میں تم پر تقریباً سارے لڑکوں کی نگاہوں کا اجتماع دیکھ رہا تھا۔ میرا بے حد جی چاہا کہ سب کسی طرح جان لیں کہ تم میری ہو۔ ہم ساتھ ساتھ چلیں۔

ساجدہ کو جلد واپس آنا تھا۔ میں نے تم سے کہا کہ ہم تمھیں بھی گھر چھوڑ دیں گے۔ سلیم کو رکنا تھا۔ اسنے تمھیں ہمارے سپرد کر دیا۔

ہم تینوں واپس ہوئے۔

سب سے پہلی شرارت میں نے یہ کی کہ تمھارے گھر کی طرف کار نہیں موڑی۔

"چلئے۔ ہم آپ کو اپنے گھر لے چلیں۔"

تم کھوئی کھوئی بیٹھی رہیں۔ ادھوری ملاقات کا اثر دونوں طرف برابر ہوا تھا۔

میں نے کار گرو مندر پر اپنے گھر کی طرف بھی نہیں موڑی۔

"یہ تو میں بھول ہی گیا تھا ـــــ" میں نے ساجدہ سے کہا "تمھیں تو شریفہ کے گھر جانا ہے۔"

ساجدہ بے چاری کچھ نہ بولی اور جب میں نے شریفہ کے گھر جا کر کار روکی تو صرف اسے اترنے دیا۔ تم بھی اترنے کے لئے اُٹھیں ـــــ "چلئے میں آپ کو چھوڑ آؤں۔"

میرا یہ کہنا بیکار ہی تھا کیونکہ ساجدہ کے اترتے ہی میں نے کار چلادی تھی۔
تم چپ چاپ بیٹھی رہیں۔ میں سولجر بازار ہوتا ہوا اپنے مخصوص راستوں پر آیا۔
"ثروت ـــ" میں نے آئینہ ٹھیک کرکے تمھیں دیکھا۔
تم پچھلی سیٹ پر سر جھکائے بیٹھی رہیں۔
"ثروت ـــ ایک بات مجھے بہت تنگ کررہی ہے۔"
تم نے سر اٹھایا۔
"کئی دنوں سے میں سوچ رہا ہوں کہ میں نے تم سے محبت کرکے تمھیں تکلیف پہنچائی ہے ـــ تمھارے دکھ بہت بڑھ گئے ہیں۔ مجھے تم سے محبت نہیں کرنا چاہیے تھی نا ـــ؟"
"محبت سے تو کسی کو دکھ نہیں ہوتا ـــ" تم نے آہستہ سے کہا۔
جیل کے قریب میں نے کار روکی ـــ تم آگے آکر بیٹھ گئیں۔
آگے آتے ہی تم نے میرا بایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اتنے پیار سے اپنے سینے سے لگایا کہ میرا دل بہہ گیا۔

اس دن ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ ہم کلفٹن جاتے۔ سوسائٹی کے پیچھے ایک تنہا جگہ پر تم میرے بازوؤں میں آگئیں ـــ اپنی ساری ملاقاتوں میں تم نے کبھی اس سے زیادہ شدید الفت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میرے بازوؤں میں اپنی انگلیاں گاڑ کر تم نے کہا تھا۔ "میں کیا کروں۔ تمھیں کھا جاؤں ؟"

اور جب میں بار بار تمھیں پیار کررہا تھا تو تم اکھڑی ہوئی سانسوں میں لپٹی آواز میں کہہ رہی تھیں ـــ

"اس سے کیا ہوتا ہے ـــ اس سے کیا ہوتا ہے۔"
میرے پیر پر ایک بہت معمولی چوٹ کا نشان تھا تم نے اپنی انگلیوں سے اسے چھوا۔
ـــ "تم بالکل اچھے رہا کرو ـــ سمجھے ـــ"

"اگر میں بیمار پڑ جاؤں تو تم مجھے دیکھنے آؤگی؟"

"نہیں آسکتی جبھی تو کہہ رہی ہوں —— اچھے رہو۔ ہمیشہ!"

کافی دیر میں تمھارے سینے پر سر رکھے نیم دراز رہا۔ تم میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہیں۔

اس وقت جب تم پاس تھیں تو لگتا تھا تم مکمل ہمیشہ کے لئے میرے بس میں ہو۔ میری ہو۔ پھر جب تمھیں تمھارے گھر کے نزدیک اتار دیا تو لگا تم میری پہنچ سے باہر چلی گئی ہو۔ اس لئے کہ فون پر تمھارے ہاتھ آنے کے امکانات کم سے کم ہو چکے تھے۔

فون پر کافی دنوں تم سے کوئی بات نہ ہو سکی۔ تم زیادہ وقت اپنے پھوپھا کے یہاں گزارتیں۔ محبت ہزار طرح کے شبہات پیدا کرتی ہے اور اس یقین کے باوجود کہ کوئی میرا بدل نہیں بن سکتا، تم سے بڑی شکایتیں پیدا ہو چکی تھیں۔

تمھیں بہر حال داخلہ مل گیا۔ تم یونیورسٹی جانے لگیں۔ جب فون پر تمھیں نہ پاتا تھا تو جی چاہتا تھا کہ کیمپس جا کر تمھیں پکڑ لوں۔ اول تو تم منع کر چکی تھیں کہ وہاں سب کے سامنے مجھ سے نہ مل سکوگی۔ دوسرے کیمپس اب میری محرومیوں کا سمبل بن چکا تھا۔

لیکن کافی دنوں تم سے بے تعلق رہنے کے بعد مجھے —— ستمبر کو یونیورسٹی جانا پڑا۔ آرٹس کے بلاک میں ہی میں نے تمھیں اپنی سہیلیوں کے ساتھ دیکھا۔ تم نے میری طرف نظر کی۔ رازداری سے سکرائیں۔ تمھیں بغیر برقعہ سب کے سامنے دیکھ کر دل بھر گیا۔ یہ سوچ کر تکلیف ہوئی کہ تم اس طرح وہاں روز آتی ہو۔ اور میں دنوں تمھاری آواز بھی نہیں سن پاتا۔ میں نے کافی دیر تمھیں اپنی نظر میں رکھا۔ اور بے دلی سے اپنے واقفوں سے مصروف گفتگو رہا۔ تم اپنی کلاس میں گئیں۔ دو بار کینٹین کی طرف تمھارا جانا ہوا۔ میں نے سوچا تھا اتنے دنوں مجھ سے دور رہنے کے بعد تم بے اختیار ہو کر میرے پاس آؤگی اور مجھ سے کچھ کہوگی لیکن ایسا نہ ہوا۔ مجھے ہی اس کمرے کے دروازے پر سے تمھیں بلانا پڑا جہاں تم اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

تم سمٹی سمٹائی آئیں۔ ادب سے سلام کیا۔

"کیا حال ہیں؟" تم نے آہستہ سے پوچھا۔

میں نے شکایت کی۔ فون پر تم نہیں ملتیں۔ کہاں ہو۔ میں بہت بے چین ہوں۔ کب ملو گی۔

تم نے بتایا کہ تمھیں فرصت نہیں ملتی۔ فون پر نہ ملنا محض اتفاق ہے۔ میں نے جلدی سے تم سے اتوار کو ملنے کا وعدہ کیا۔ تم اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں کہ کون ہمیں دیکھ رہا ہے۔

"یہاں نہیں ——— بس تم جاؤ۔"

"اتوار کو ملنا ———" میں نے جدا ہوتے ہوئے تمھیں یاد دلایا ——— "صبح دس بجے ——— گرومندر۔"

اتوار ——— سنیچر تک بھی تم سے کوئی بات نہ ہوئی۔ میں نے اپنی مخصوص کتاب میں تمھارے لئے پرچہ رکھ دیا تھا کہ تم ضرور آؤ۔ وقت پر آؤ۔

اور تم نہیں آئیں۔ میں نے تمھارے لئے بہت مہنگے چاکلیٹ خریدے تھے جو بار بار ہارننگ کرنیوالے فقیروں میں بانٹ دئے۔

کافی دیر راہ دیکھنے کے بعد سیدھا تمھارے گھر گیا۔ سلیم سے ملاقات ہوئی۔ اس کے ہاتھ تمھیں پیغام بھجوایا ——— "ساجدہ نے ثروت سے پوچھا ہے کہ وہ اس سے کب ملے گی۔"

سلیم اندر گیا۔ تمھارا جواب لے کر آیا۔ "کہہ رہی ہے کل آؤنگی ——— کل چھٹی ہے ———"

یہ زیادہ اچھا ہوا کیونکہ دوسرے دن تمھاری سالگرہ تھی۔ اور میں نے بہت پہلے سے یہ پروگرام بنایا تھا کہ اس دن تم سے ضرور ملوں گا اور تمھیں کوئی اچھا سا تحفہ دوں گا۔

یوں میں تم سے سچ مچ خفا تھا۔ تقریباً مایوس بھی تھا کہ تم نہیں آؤگی۔ بڑے پسپا کر دینے والے جذبات حاوی تھے۔

لیکن تم آئیں۔ تم نے سلام نہیں کیا۔ تم آئیں اور کار میں آکر بیٹھ گئیں۔ میں نے ایک نظر تمھیں دیکھا اور کار چلا دی۔ میں ——— ناراضگی کا اظہار کر دینا چاہتا تھا اسلئے چپ رہا۔ مسکارپور کالونی کے پٹرول پمپ سے میں نے پٹرول ڈلوایا۔ بغیر تم سے بات کئے شہید ملت روڈ پر اپنی کار موڑ دی۔ خاموشی کا طویل عرصہ گذر چکا تو میں نے تمھاری طرف دیکھا۔ ہلکے نقاب کے پیچھے دو موٹے موٹے آنسو تمھاری آنکھوں سے بہہ کر رخساروں پر آچکے تھے۔ میرا دل پسیج گیا۔

"ثروت ـــــ ڈیرسیٹ ـــــ"، میں نے بائیں ہاتھ سے تمھیں تھاما ـــ" کیا ہوا ہے تمھیں۔

تم کیوں رو رہی ہو؟"

تم نے کوئی جواب نہ دیا۔

"مجھے تنگ نہ کرو ثروت ـــــ بتاؤ تمھیں کیا ہوا ہے؟"

میں نے تمھیں اپنے قریب کرلیا۔ تم اب بھی خاموش تھیں۔" آج تمھاری سالگرہ ہے نا ـــ

بتاؤ کیا تحفہ لوگی تم ـــ؟"

تم نے میرا ہاتھ ہٹادیا۔ اور سر پیچھے ٹکا کر اپنے آنسو پونچھے ـــ تم بہت ملول اور بجھی بجھی تھیں۔

میں تمھیں کلفٹن لے گیا۔ تم من گئیں۔ میں نے کہا ہم ساتھ کسی دوکان میں جاکر تمھارا تحفہ خریدیں گے

یہ تمھارے لئے بہت مشکل تھا۔

تم نے یونیورسٹی کی بہت سی باتیں بتائیں۔ میری گود میں لیٹی مجھے دیکھتی رہیں۔ میں نے تمھارا دیا ہوا چھلّا

تمھیں اتار کر دے دیا۔

"اگر یہ ہماری منگنی کا چھلّا ہے تو تم مجھے دوبارہ پہنادو۔ نہیں تو اسے واپس لے لو۔"

تم نے سحر زدہ آنکھوں سے مجھے دیکھا۔

"یہ ہماری منگنی کا چھلا ہے نا ـــ؟"

تم نے میری انگلیوں کو چوما۔ آہستہ سے وہ چھلّا پہنا دیا۔

"آج تم اکیس سال کی ہوگئی ہو ـــ؟"

"ہاں ـــــ"

"اس میں سے کتنے سال میرے ہیں؟"

"سب ـــــ اس لئے کہ میری زندگی میں تم پہلے مرد ہو ـــ"

میں نے مستقبل کی باتیں کرنا چاہیں۔ تم میرا ساتھ نہ دے سکیں۔ تم نے بتایا کہ میرے متعلق صرف

وہ باتیں تمھارے ذہن میں آئی ہیں جو ہو چکی ہوں۔ ہماری ملاقاتیں تمھیں یاد آ آ کر تنگ کرتیں۔ گھر کے کاموں

میں تم کئی بار میرے دھیان میں غلطیاں کرچکی تھیں اور تمھاری امی نے تمھاری خبر لی تھی۔

میں تمھاری سالگرہ کا کوئی تحفہ نہیں لے گیا تھا۔ ضد کرکے میں نے تمھیں بیس روپے دئے کہ تم اپنی پسند کی کوئی چیز خریدلو۔ ویسے بھی دوپٹے کی قسم کی کوئی کارآمد چیز میں تمھیں کیسے دے سکتا تھا۔

"میں تمھارے لئے کوئی چیز خریدوں گی۔"

حسب معمول غیر ضروری باتیں ہوئیں۔ ہم دونوں نے اپنے حالات تفصیل سے ایک دوسرے کو سنائے تم نے بتایا تم کتنے بجے اُٹھتی ہو۔ کس طرح یونیورسٹی جانے کے لئے تیاری شروع ہوتی ہے۔ کس طرح صفیہ سے آئینہ اور کنگھی وغیرہ کے استعمال پر جھگڑا ہوتا ہے اور اس بیان کے دوران کئی بار تمھیں مجھ سے غور سے تمھاری باتیں سننے کی تاکید کرنا پڑی۔ میں کھویا ہوا تمھاری صورت دیکھتا رہتا تھا۔

"ثروت ——" میں نے تم سے کہا تھا —"میں تم سے جو کچھ مانگوں گا تم مجھے دیدوگی؟"

"ہاں —— سوائے 'سیکس' کے ہر چیز۔"

مجھے تم پر بہت غصہ آیا۔ میری خواہش تھی کہ تم میری محبت پر اس طرح بھروسہ کرو جس طرح لوگ خداؤں پر کرتے ہیں۔ تم کسی ایسی بات پر یقین نہ کرو جو میری بے وفائی کی گواہی دے۔ آنکھیں غلط دیکھ سکتی ہیں۔ کان خلاؤں میں آوازیں سن سکتے ہیں۔ لیکن میری محبت —— اور اسی لئے جب تم مجھ پر کم بھروسہ کرتی تھیں، اپنی تصویر یا تحریر دیتے ڈرتی تھیں تو مجھے تکلیف ہوتی تھی۔ اور پھر تمھارے تو موڈ ہوا کرتے تھے۔ ایک دن بڑے عزم سے تمھیں نے تو کہا تھا —— "میں تم سے شادی نہیں کروں گی اور تمھارے ساتھ رہوں گی۔"

تم اسی محبت سے رخصت ہوئیں۔ جاتے جاتے تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم اگلے جمعہ کو پھر ملوگی۔ یہ جو پچھلے دنوں تم کم ملی تھیں۔ تو تمھیں اس کا ادھار چکانا تھا۔

لیکن تم نہیں آئیں۔

میں تمھارے انتظار میں کڑھتا رہا۔

دوسرے دن تم سے فون پر بات ہوئی تو تم نے نہ آنے کا کوئی واضح سبب نہ بتایا۔

”کوئی بات ہو گئی تھی۔“ تم نے کہا۔

”کیا ہوا تھا۔“

”کچھ تو ہوا ہی ہوگا۔“

جلدی میں زیادہ باتیں نہ ہو پائیں۔

اس گفتگو کے بعد بہت سی تاریخیں میری ڈائری میں سادی ہیں۔ کوئی چھوٹا دائرہ نہیں بنا۔ ان
تمام دنوں جو کچھ ہوا ہوگا احساسات کی تہہ بہ تہہ گہرائی میں، میں انھیں نہیں پہچان سکتا۔ بالکل ایسی
بات ہے جیسے اندھیرے میں سیاہی مائل چیزیں چھپی ہوں۔

تمھارے گھر جانا ہوتا ہی تھا۔ وہاں مجھ سے ٹھیک طرح بیٹھا بھی نہ جاتا تھا۔ اندر سے تم
سب لوگوں کے ہنسنے بولنے کی آوازیں آتی تھیں۔ بہت سے لوگ اندر آتے جاتے تھے۔ اپنی کتاب
میں کئی پیغامات چھوڑنے کے بعد بھی تمھارا نشان نہ ملا۔ تم انھیں اٹھا لیتیں اور شاید ان سے اپنی خود
پرستی کی آگ کو ایندھن پہنچاتیں۔ تم نے کہا تھا کہ بہت سے خط تم نقل کر کے اصل ضائع کر دیتی ہو
تمھارا خیال تھا وہ سب اپنی اپنی جگہ شاہکار ہوتے ہیں۔

— ستمبر کو تم سے بات ہوئی۔

تم نے کہا — ”میں تمھاری عادت ڈال رہی ہوں کہ تم مجھے بھول جاؤ۔“

پھر ذرا سی دیر میں بے رخی سے بے خودی کی منزل پہ آگئیں۔

”ہماری بات مانو ڈیر بلی — ہمیں جانے دو۔“ تم نے رخصت کی اجازت چاہی۔

”بلی — پلیز جانے دو۔“

”نہیں پی —“ مجھے تمھیں پی کہنا اچھا لگتا تھا۔ پی۔ پاپی۔ پوپی۔ لٹے — سب
ایک ساتھ۔

ایک بار پھر تم نے ملنے کا وعدہ کیا۔

ایک بار پھر تم نہیں آئیں۔

یہ وہ دور تھا جب میں ابتدا سے بھی زیادہ بےبسی سے تمھیں چاہتا تھا۔ ان دنوں کے فاصلوں اور تشنہ ملاقاتوں نے مجھے صحرا میں پیاسا چھوڑ دیا تھا۔ جس جذباتیت سے اپنی جان چھڑانا چاہتا تھا اسی کی مجھ پر حکمرانی تھی۔

ایک صبح میں سب سے پہلے بس سے کیمپس گیا کینٹین کے قریب سے میں نے تمھیں بس سے اُترتے دیکھا۔ جن صاحب سے میں بات کر رہا تھا انھیں جھٹک کر میں تمھارے پیچھے آیا۔ اور جب تم کامن روم میں اپنا برقعہ لپیٹ کر رکھ رہی تھیں، میں دروازے پر تھا۔ تم نے مجھے دیکھا۔ مسکرائیں۔ میری طرف آئیں۔ گزرتی لڑکیوں کے باوجود ہم نے تھوڑی باتیں کیں۔ میں اگلے دن تم سے ملنا چاہتا تھا۔ بمشکل راضی ہوئیں۔ پھر جلدی سے رخصت ہوئیں۔

میں کافی دیر وہاں رہا۔ پردیسی کی طرح ان برآمدوں میں ٹہلتا رہا۔ جہاں سب سے پہلے تمھارے ساتھ آیا تھا۔ جہاں تم ہر روز دوپہر تک ہر ایک کی دسترس میں تھیں۔

یہ بات —— بہت سی باتیں۔ تب اور اب بھی ایک ساتھ اتنے چبھنے اور کاٹ کر گزر جانے والے جذبات پیدا کرتی ہیں کہ میں نہ ان کا تصور کر سکتا ہوں اور نہ ان کا ذکر چاہتا ہوں۔ مجھ میں کبھی اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ میں ان کے بارے میں رسان سے سوچوں۔

تمھارے ہی شعبے کے ایک لڑکے کے ساتھ جب میں واپسی سے ذرا پہلے آرٹس بلاک میں تھا کہ تم اپنی کچھ سہیلیوں کے ساتھ وہاں آئیں۔ تم نے آگے بڑھ کر اس لڑکے سے بڑے پیارے انداز میں کسی کتاب کے دینے کا شکریہ ادا کیا۔ تمھارے خوبصورت جملے —— بھولا انداز —— اور یہ سب کسی اور سے —— میں جانتا ہوں تم صرف میری موجودگی کی وجہ سے وہ ادائیں دکھا رہی تھیں۔ اور پس پردہ کوئی جذبہ نہ تھا۔ پھر بھی۔

میں نے خود تم سے بات کی۔ "ہم جا رہے ہیں —— آپ کل ساجدہ سے ضرور ملیں گی نا؟"
تم نے کھوئے ہوئے بے خود انداز میں سر ہلایا اور چلی گئیں۔
دوسرے دن میں نے ایک گھنٹہ تمھارا انتظار کیا۔ تمھاری بار بار کی وعدہ خلافیوں کے بعد اب میں

تقریباً مایوس ہو چکا تھا۔ کئی بار سوچا تمھیں کوئی بہت جذباتی خط لکھوں اور پھر کبھی تم سے نہ ملوں۔ یہ بھی جانتا تھا میرے لئے یہ کرنا ناممکن ہے۔ اس دن پہلی بار ایسا ہوا کہ میں انتظار کر کے چلا آیا اور تم بعد میں آئیں۔ تمھیں یونیورسٹی میں دیر ہو گئی تھی۔ اور پھر گرو مندر کی بس نے انتظار کرایا تھا۔

دو روز بعد ہمیں احسان سے ملنے حیدر آباد جانا تھا۔ میں اور سلیم راشد کے ساتھ جانے والے تھے۔ مگر سلیم بغیر اطلاع کے غائب ہو گیا۔ آخری وقت تک ہم اس کا انتظار کرتے رہے اور جب تیز گام کی روانگی سے تھوڑی دیر پہلے میں نے اسٹیشن سے فون کیا تو تم مل گئیں۔ راشد ساتھ کھڑا تھا اسلئے کھل کر باتیں نہ ہو سکیں۔ ساجدہ کا نام لے کر میں نے گفتگو کھینچی۔ تمھاری آواز سن کر جی نہ چاہا کہ ایک دن کے لئے بھی اس جگہ سے دور ہو جاؤں جہاں تم ہو۔

اسی دن شریفہ کی شادی تھی۔ اور راشد کی باتوں اور حرکت سے میں پہلے یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ شریفہ سے محبت کرتا تھا۔ حیدر آباد کے سفر میں وہ شدید ماتمی رہا۔ ہم سارا راستہ ڈائننگ کار میں بیٹھے رہے۔ وہ اپنے ساتھ فراق کا ایک مجموعہ اور اپنی غزلوں کی کاپی لے جا رہا تھا اور سرخ بھیگی آنکھوں سے باہر دیکھتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں شعر گنگنا رہا تھا۔

حیدر آباد کا قیام میرے لئے بہت تکلیف دہ رہا۔ یونیورسٹی میں خود تمھیں کسی اور سے باتیں کرتے دیکھ کر مجھے ناقابل بیان تکلیف ہوئی تھی۔ اگر یہ بات سب کے علم میں ہوتی کہ تم میری ہو، اگر تم واقعی میری ہوتیں تو مجھے ایسی کسی بات کا دکھ نہ ہوتا۔

سنیچر کی رات ہم دو بجے تک ٹہلتے رہے اور جب ایک اوسط ہوٹل کے کمرے میں، میں اور راشد سونے لیٹے تو یاد آتے رہنے والا کرب میرا ہم بستر تھا۔ کھانے سے پہلے ہم نے ایک بار کے الگ، چھوٹے اور اونچی چھت والے کمرے میں تھوڑی سی وہسکی پی تھی۔ اور اس وقت دور سے آنے والی اس گیت کی آواز نے مجھے تنگ کیا تھا —— "میں نے اب تم سے نہ ملنے کی قسم کھائی ہے —،، ایسا لگتا تھا یہ تمھارا گیت ہے —— یہ تم گا رہی ہو۔

یہ وہ دور تھا جب میں ابتدا سے بھی زیادہ بے بسی سے تمھیں چاہتا تھا۔ ان دنوں کے فاصلوں اور تشنہ ملاقاتوں نے مجھے صحرا میں پیاسا چھوڑ دیا تھا۔ جس جذباتیت سے اپنی جان چھڑانا چاہتا تھا اسی کی مجھ پر حکمرانی تھی۔

ایک صبح میں سب سے پہلے بس سے کیمپس گیا۔ کینٹین کے قریب سے میں نے تمھیں بس سے اترتے دیکھا۔ جن صاحب سے میں بات کر رہا تھا انھیں جھٹک کر میں تمھارے پیچھے آیا۔ اور جب تم کامن روم میں اپنا برقعہ لپیٹ کر رکھ رہی تھیں، میں دروازے پر تھا۔ تم نے مجھے دیکھا۔ مسکرائیں۔ میری طرف آئیں۔ گزرتی لڑکیوں کے باوجود ہم نے تھوڑی باتیں کیں۔ میں اگلے دن تم سے ملنا چاہتا تھا۔ بہ مشکل راضی ہوئیں۔ پھر جلدی سے رخصت ہوئیں۔

میں کافی دیر وہاں رہا۔ پردیسی کی طرح ان برآمدوں میں ٹہلتا رہا۔ جہاں سب سے پہلے تمھارے ساتھ آیا تھا۔ جہاں تم ہر روز دوپہر تک ہر ایک کی دسترس میں تھیں۔

یہ بات —— بہت سی باتیں۔ تب اور اب بھی ایک ساتھ اتنے چبھنے اور کاٹ کر گزر جانے والے جذبات پیدا کرتی ہیں کہ میں نہ ان کا تصور کر سکتا ہوں اور نہ ان کا ذکر چاہتا ہوں۔ مجھ میں کبھی اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ میں ان کے بارے میں رسان سے سوچوں۔

تمھارے ہی شعبے کے ایک لڑکے کے ساتھ جب میں واپسی سے ذرا پہلے آرٹس بلاک میں تھا کہ تم اپنی کچھ سہیلیوں کے ساتھ وہاں آئیں۔ تم نے آگے بڑھ کر اس لڑکے سے بڑے پیارے انداز میں کسی کتاب کے دینے کا شکریہ ادا کیا۔ تمھارے خوبصورت جملے —— بھولا انداز —— اور یہ سب کسی اور سے —— میں جانتا ہوں تم صرف میری موجودگی کی وجہ سے وہ ادائیں دکھا رہی تھیں۔ اور پس پردہ کوئی جذبہ نہ تھا۔ پھر بھی۔

میں نے خود تم سے بات کی۔ "ہم جا رہے ہیں —— آپ کل ساجدہ سے ضرور ملیں گی نا؟"
تم نے کھوئے ہوئے بے خود انداز میں سر ہلایا اور چلی گئیں۔
دوسرے دن میں نے ایک گھنٹہ تمھارا انتظار کیا۔ تمھاری بار بار کی وعدہ خلافیوں کے بعد اب میں

تقریباً مایوس ہو چکا تھا۔ کئی بار سوچا تمھیں کوئی بہت جذباتی خط لکھوں اور پھر کبھی تم سے نہ ملوں۔ یہ بھی جانتا تھا میرے لئے یہ کرنا ناممکن ہے۔ اس دن پہلی بار ایسا ہوا کہ میں انتظار کر کے چلا آیا اور تم بعد میں آئیں۔ تمھیں یونیورسٹی میں دیر ہو گئی تھی۔ اور پھر گرومندر کی بس نے انتظار کرایا تھا۔

دو روز بعد ہمیں احسان سے ملنے حیدرآباد جانا تھا میں اور سلیم راشد کے ساتھ جانے والے تھے۔ مگر سلیم بغیر اطلاع کے غائب ہو گیا۔ آخری وقت تک ہم اس کا انتظار کرتے رہے اور جب تیزگام کی روانگی سے تھوڑی دیر پہلے میں نے اسٹیشن سے فون کیا تو تم مل گئیں۔ راشد ساتھ کھڑا تھا اسلئے کھل کر باتیں نہ ہو سکیں۔ ساجدہ کا نام لے کر میں نے گفتگو کھینچی۔ تمھاری آواز سنکر جی نہ چاہا کہ ایک دن کے لئے بھی اس جگہ سے دور ہو جاؤں جہاں تم ہو۔

اسی دن شریفہ کی شادی تھی۔ اور راشد کی باتوں اور حرکت سے میں پہلے یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ شریفہ سے محبت کرتا تھا۔ حیدرآباد کے سفر میں وہ شدید ماتمی رہا۔ ہم سارا راستہ ڈائننگ کار میں بیٹھے رہے۔ وہ اپنے ساتھ فراق کا ایک مجموعہ اور اپنی غزلوں کی کاپی لئے جا رہا تھا اور سرخ بھیگی آنکھوں سے باہر دیکھتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں شعر گنگنا رہا تھا۔

حیدرآباد کا قیام میرے لئے بہت تکلیف دہ رہا۔ یونیورسٹی میں خود تمھیں کسی اور سے باتیں کرتے دیکھ کر مجھے ناقابل بیان تکلیف ہوئی تھی۔ اگر یہ بات سب کے علم میں ہوتی کہ تم 'میری ہو' اگر تم واقعی میری ہوتیں تو مجھے ایسی کسی بات کا دکھ نہ ہوتا۔

سنیچر کی رات ہم دو بجے تک ٹہلتے رہے اور جب ایک اوسط ہوٹل کے کمرے میں میں اور راشد سونے لیٹے تو یاد آتے رہنے والا کرب میرا ہم بستر تھا۔ کھانے سے پہلے ہم نے ایک بار کے الگ، چھوٹے اور اونچی چھت والے کمرے میں تھوڑی سی وہسکی پی تھی۔ اور اس وقت دور سے آنے والی اس گیت کی آواز نے مجھے تنگ کیا تھا ــــ "میں نے اب تم سے نہ ملنے کی قسم کھائی ہے ــ" ایسا لگتا تھا یہ تمھارا گیت ہے ـــــ یہ تم گا رہی ہو۔

اتوار کے دن ہم بہت سے لوگوں سے ملے۔ بہت سی جگہیں دیکھیں۔ تمھارے لئے میں نے ایک سستی،
سرخ مٹی کے موتیوں کی مالا اور دو چوبی کنگھے خریدے۔ بیراج پر تمھیں مسلسل یاد کیا۔ رات جب کچھ لوگ
ہمیں گاڑی میں بٹھلانے آئے تو کسی نے میرا بایاں ہاتھ تھام کر تمھارے چھلے کو چھوا۔ "یہ منگنی کا ہے۔؟"
انھوں نے پوچھا۔

دفتر سے متعلقہ نت نئی مصروفیات کے باوجود ہر دن اپنا پورا محصول وصول کرتا تھا۔ صبح کا وقت
زیادہ مشکل گزرتا۔ میں سوچتا رہتا اس وقت تم یونیورسٹی میں ہوگی۔ لوگ تمھیں دیکھ رہے ہونگے۔ تم سے
کوئی مل رہا ہوگا۔

اس قسم کے جذبات بڑے خود سر ہوتے ہیں۔ آدمی جان بھی لے کہ ایسا سوچنا بیکار ہے پھر بھی ان
سے مفر نہیں۔ جب بے معنی ہوتے ہیں تو زیادہ کچوکے لگاتے ہیں۔

تمھارے گھر جانا بہت کم ہوگیا۔ خود میری ہمت نہ پڑتی۔ یہ دور دور ایک دوسرے سے بے تعلق
رہنے والی محبت وہ محبت نہیں تھی جس کی میں نے تمنا کی تھی۔ محبت کے ان مراحل کو چھوڑ کر میں نے تو ہمیشہ
بعد کی، ساتھ رہنے والی زندگی کے پروگرام بنائے تھے۔ اب بہت سی باتیں میرے تصور کا منہ
چڑا رہی تھیں۔

تم سے ــــ اکتوبر کو فون پر ملاقات ہوئی۔ میں نے تمھیں جب بتایا کہ مجھ میں رقابت کا شدید
جذبہ ہے تو تم نے کہا تھا کہ یہ بہت بُری بات ہے ــــ اس سے آدمی بہت چھوٹا بھی بن جاتا ہے اور بہت
بڑا بھی ــــ لیکن میرے لئے یہ غیر متعلقہ بات تھی۔ تمھیں مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔
محبت مکمل شخصیتوں سے ان کی خامیوں کے بعد کی جاتی ہے۔ لیکن یہ بات تمھاری سمجھ میں کبھی
نہیں آئی۔

جمعہ کو میں دفتر دیر سے پہنچا تھا۔ معلوم ہوا کسی خاتون کا فون آیا تھا۔ پیغام تھا میں سلیم کو
فون کروں۔

تم فون کے قریب ہی بیٹھی تھیں۔ تم نے فون اسلئے کیا تھا کہ تمھیں نفسیات کی ایک کتاب چاہیے

تھی۔ تمھارا کوئی ٹیسٹ ہونے والا تھا اور کتاب کی تمھیں اشد ضرورت تھی۔ میں نے کوشش کی لیکن وہ کتاب مجھے نہ مل سکی۔ ایک صاحب نے مشورہ دیا کہ سلیم سے پوچھوں ۔ شاید اس کی بہن کے پاس ہو۔

شام کو بڑی مفصل باتیں ہوئیں۔ تم بہت مایوس تھیں اور ایسی حالتوں میں ہمیشہ تمھیں مجھ پر بڑا پیار آیا کرتا تھا۔ گھر میں کوئی بات ہوگئی تھی اور تم نے فیصلہ کیا تھا کہ اب تم یونیورسٹی نہیں جاؤگی۔ ساری تعلیم ختم! میں نے تمھیں سمجھایا۔ میں نے کہا تم میری بات مان لو اس لئے کہ وہ جو محبت کرتے ہیں ایک دوسرے کی بات بغیر کچھ سوچے مان لیتے ہیں۔

تم اپنی ضد پر اڑی رہیں۔ مجھ سے پیر کے دن ملنے کا وعدہ کیا۔ میری بات نہ ماننے کے باوجود تم نے مجھ سے اتنی خودسپردگی کے ڈھنگ سے باتیں کیں کہ مجھے لگا اب تم میری ہو۔ ماضی قریب کی ساری ترشی اور انجان دوری ختم ہوتی دکھائی دی۔ ابتدا کی طرح ہم نے بچپنے کی باتیں کیں۔

دوسرے دن دفتر میں پھر تمھارا فون آیا۔ میں اس وقت ایک بیہودہ سی خبر لکھ رہا تھا۔ تھوڑی سی دیر ہمارا ساتھ رہا۔ تم ٹیسٹ دینے نہیں گئی تھیں۔ لیکن تعلیم ختم کردینے کے متعلق اپنا فیصلہ بدل چکی تھیں۔ ہماری پیر کی ملاقات یقینی تھی۔ تمھاری طبیعت کچھ خراب تھی اور مجھے تمھارے گھر کے بہت قریب سے تمھیں لینا تھا۔

پیر ــــ اکتوبر کو میں نے تمھیں دور سے آتا دیکھا تو اپنی کار اسٹارٹ کردی۔ تمھارے قریب پہنچ کر میں نے اسے روکا۔ تم بیٹھیں۔

"کیسے ہو ڈیر۔ ڈارلنگ ۔" تم نے کہا۔ "ڈینجر زون سے جلدی نکل چلو۔"

"اصلی جنگ تو ڈینجر زون ہی میں ہوتی ہے ۔"

ہم حسبِ معمول سوسائٹی ــــ ڈرگ روڈ اور پھر فریر ہال ہوتے ہوئے کلفٹن گئے۔ جس میدان میں ہم اکثر جایا کرتے تھے وہاں کئی کاریں تھیں۔ میں اس سے اگلے میدان کی طرف گیا۔

"یہاں تو جی بھر کے میدان ہے۔"

تم ہنسیں ــــ درمیان میں کار کھڑی کرنے کے بعد میں نے تمھیں اپنی پوری توجہ دی۔ تم نے برقعہ

اتار کر پیچھے پھینکا۔ تم ایک کاپی لائی تھیں۔ جس میں تمھارا سالوں پہلے لکھا افسانہ تھا۔ تم وہ مجھے سنانا چاہتی تھیں۔ میں نے اسے بھی تمھارے ہاتھ سے لے کر پرس سمیت پیچھے ڈال دیا۔

"ابھی نہیں ـــــ ابھی تو میں تمھیں بہت، بہت پیار کروں گا۔"

تم کسمسائیں۔ تم نے سر جھکا لیا۔

میں نے تم سے شکایتیں کیں۔ تمھیں بتایا یہ تمام دن کیسے لہولہان کرکے گزرے۔ میں نے راتوں کو اکثر سوچا تھا کہ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میری محبت کی بے پناہ شدت کے اثر سے تارے آسمان پر تمھارا نام لکھ دیں۔

تم نے مجھے اپنی گود میں لٹایا اور اپنا افسانہ پڑھ کر مجھے سنایا۔ ایک شادی شدہ عورت اپنے پڑوسی سے، جسے وہ اپنا بھائی سمجھتی تھی، وائلن سیکھتی ہے لیکن شوہر کو کچھ اور شک گزرتا ہے۔ افسانہ کا نام میں بھول چکا ہوں۔۔ ایک کردار ندیم تھا اور یہ نام تمھیں بہت پسند تھا۔

تم نے میرے سپرد یہ کام کیا کہ میں یونیورسٹی جاکر اس ٹیسٹ کے بارے میں کچھ معلوم کروں جو تم نے نہیں دیا۔

کئی بار تم نے چلنے کے لئے کہا، دو ایک بار تو ہم تقریباً چل دیئے۔ مگر صرف ڈھائی تین گھنٹے بعد تمھیں چھوڑ دینے کو جی نہ چاہتا تھا۔ تم پہلے مجھے دور ہٹاتیں پھر ڈھیلی پڑ جاتیں۔ ایسے لمحوں میں ہم ایک دوسرے میں ایسے کھو جاتے کہ اردگرد کا قطعاً ہوش نہ رہتا۔ اسی لئے جب میں اچانک تمھارے چہرے پر سے پیچھے ہٹا تو کار کی کھڑکی میں سے کوئی جھانک رہا تھا۔

میں ہڑبڑا کر اٹھا۔ وہ سرحدی علاقہ کا اوسط جسامت رکھنے والا کوئی آوارہ گرد لگ رہا تھا۔ مجھے اُٹھتے دیکھ کر اسنے کرخت لہجے میں کہا۔" اچھا ـــ تو یہ ہو رہا ہے۔"

میں نے جھٹ چابی لگا کر کار چلانے کی کوشش کی۔ اُسنے ہاتھ بڑھا کر چابی مجھ سے چھیننا چاہی۔ تم بھی پریشان ہو کر اس کا ہاتھ ہٹانے لگیں۔ چابی آخرکار اسنے چھین ہی لی۔

میں سست ہو کر بیٹھ گیا۔

"تمھیں کیا چاہیئے۔" میں نے اس سے پوچھا۔
"جب مارشل لار کے کوڑے پڑیں گے تو سب معلوم ہو جائے گا۔"
میں جان گیا اس سے نبٹا دشوار رہے گا۔ میں کافی گھبرایا ہوا تھا صرف تمھاری وجہ سے ــــ اس نے دھمکی دی کہ وہ فوج کا ملازم ہے اور ہمیں سیدھا تھانے لے جائیگا۔ پچھلا دروازہ کھول کر وہ دھرنا دے کر بیٹھ گیا۔
تمھاری ہمت قابلِ داد ہے ــــ تم نے بپھر کر اس سے کہا۔ "سیدھی طرح یہاں سے چلے جاؤ ــــ جانتے نہیں ہو میں ایک پولیس افسر کی بیٹی ہوں۔"
وہ اس دھونس میں بھی نہیں آیا۔ "سب پتہ چل جائے گا۔"
اس نے شناختی کارڈ اور ایک سیٹی نکال کر رعب جمایا ــــ "ابھی ہماری پارٹی ادھر سے گزرے گی۔ میں تمھیں سیدھے تھانے لے جاؤں گا۔"
ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ میں ڈر رہا تھا کہ اگر واقعی اسکے ساتھی آگئے تو پھر ہماری خیر نہیں۔ اگر ہماری محبت کھلی حقیقت ہوتی تو گھبرانے کی کوئی خاص بات نہ تھی۔ لیکن موجودہ حالات میں واقعی زندگیاں خطرے میں تھیں۔
میں نے مکالمے بولنے شروع کئے۔ اسے منایا۔ بہت سے لوگ دور سے مجرم اور خراب نظر آتے ہیں۔ اگر انھیں قریب سے دیکھا جائے، ان کے حالات جانے جائیں تو وہ بڑے قابلِ رحم نظر آئیں۔ تم نے بھی کچھ اچھی باتیں کیں۔ پیچھے سے برقعہ اٹھا کر تم پہن چکی تھیں اور سیاہ لبادے میں لپٹا تمھارا گلاب سا چہرہ بہت پُر وقار تھا۔ "تم نے بھی ضرور کسی سے محبت کی ہوگی۔ محبت کرنا کوئی بُری بات نہیں ہے ــــ سب محبت کرتے ہیں۔ اگر کبھی تم نے محبت کی ہے تو تمھیں اس کی قسم ــــ اگر، اگر تم نے کسی کو نہیں چاہا ہے تو تمھیں اپنی جان کی قسم ــــ" تم نے اس سے کہا ــــ
وہ اتر کر باہر ٹہلنے لگا۔ میں اسکے پاس گیا۔ اس کی منت کی۔ بہت دیر بعد وہ اس مقام

تک آیا جس کی مجھے توقع تھی۔ اسنے پیسے مانگے۔ میرے پاس صرف تین روپے تھے۔ وہ تقریباً سو کی بات کر رہا تھا۔ میں نے تم سے پرس لیا۔ اس میں تمھاری فیس کے تقریباً بیس روپے تھے لیکن کیونکہ پانچ پانچ کے دو نوٹوں کے بیچ ایک ایک کے نوٹ رکھے تھے۔ اس لئے بہت سے لگ رہے تھے۔ اس ڈر سے کہ کہیں وہ گن کر کوئی اور مطالبہ نہ کرے میں نے بالکل صحیح ٹون میں کہا ۔" انھیں گنو مت ـــــ مجھے شرم آتی ہے۔"

اسنے نوٹ رکھ لئے۔ چابی مجھے لوٹا دی۔ اور اس بات کا خیال مجھے شام کو آیا کہ چابی لگ چکنے کے بعد جدوجہد میں اس طرح نکلی تھی کہ میں اس کے بغیر بھی کار چلا سکتا تھا۔ یہ بات میں تمھیں نہیں بتا سکا اور یہ بات کہ میں نے اسی وقت اسے کیوں نہ جانا میرے لئے ایک مستقل کسک بنی رہے گی۔

وہ پیسے لے کر سیدھا چل دیا "میرے پاس آؤ ـــ" میں نے تم سے کہا۔ تم اُچھل کر میرے قریب آگئیں۔ بہت پیار سے میں نے تمھارے گرد ایک بازو ڈالا اور کار چلا دی۔

میں نے اس شخص کے لئے ایک گالی چنی۔ وہ ایک واحد شخص ہے جو ہماری محبت کا گواہ ہے جس سے تم نے اپنی زبان سے محبت کا اعتراف کیا تھا۔ وہ چند منٹوں کے جہنم کی یاد کے باوجود کچھ عجب طرح دھیان میں آتا ہے (اب اگر وہ کہیں مجھے اکیلا دیکھے اور مجھ سے پوچھے کہ وہ لڑکی کہاں ہے تو میں اسے کیا جواب دوں گا ـــ؟)

دوسرے دن میں تمھارے کام سے یونیورسٹی گیا۔ دفتر واپس پہنچ کر تمھیں فون کیا تو صفیہ ملی۔ میں نے تمھیں بلوایا۔ مختصر باتیں ہوئیں۔ میں نے تمھاری تعریف کی تم بڑی باہمت ثابت ہوئیں۔ تم اپنی ہمت سے، ظاہر ہے، کچھ نہ کہہ سکیں۔

دو تین روز بعد تم نے مجھے بتایا کہ اس رات تم خاصی پریشان رہی تھیں۔ میں تم سے پھر جلد ملنا چاہتا تھا۔ ایک تو تمھیں وہ پیسے لوٹانے تھے۔ دوسرے میں اپنے لئے کچھ چیزیں خریدنا چاہتا تھا۔ چیزیں جو تم چنو۔ کپڑے وغیرہ۔ پھر حیدرآباد سے لائی ہوئی 'سوغات'، فیض

کے تینوں مجموعے اور "سفینۂ غمِ دل"، جو میں تمھارے لئے خرید چکا تھا ـــــ تم نے جلد ملنے کا وعدہ کیا
مگر کوئی دن طے نہ ہو سکا۔

"اب تم گڑبڑ نہیں کروگے۔"

"ظاہر ہے ـــــ"

"اس بار اگر تم نے کچھ کیا تو میں خود پکڑ کر تمھیں پولیس کے حوالے کر دوں گی۔"

پھر دس گیارہ دن تک تم سے کوئی بات نہ ہو سکی۔ میں نے رقابت کا جو الاؤ جلایا تھا اس کی آگ پھیلتی گئی۔

ساتھیوں نے پوچھا مجھے کیا ہوا ہے ـــــ میں سچ مچ بدلنے لگا ہوں۔

دن گذر جاتے تھے۔ راتیں بہت ڈراؤنی تھیں۔ صرف اس لئے کہ میں تھک جاؤں اور سو پاؤں میں میلوں پیدل چلتا تھا۔ رات کو بہت دیر تک باہر رہتا تھا۔ رات دو دو بجے کسی دوست کو چھوڑنے کے بہانے ایرپورٹ جا کر گیلری میں اکیلا کھڑا رہتا تھا۔

سب سے زیادہ تکلیف کی بات یہ تھی کہ خود اپنے آپ پر غصّہ آتا تھا۔

ـــــ اکتوبر کو تمھاری آواز سننے کو ملی۔ سرسری ملاقات ہوئی۔ تمھاری چھٹیاں تھیں طبیعت کچھ ناساز تھی۔ دو دن بعد صبح ملنے کا وعدہ کیا۔

تم نہیں آئیں۔

دفتر آکر میں نے تمھیں فون کیا ـــــ صفیہ تھی ـــ "ٹھہریئے ـــ" وہ بولی "باجیا آپ سے بات کریں گی ـــــ"

تم آئیں ـــــ تمھاری آواز بیٹھی ہوئی تھی۔ "ساجدہ سے کہہ دیجئے گا کہ میری طبیعت بہت خراب ہے اس لئے میں آ نہ سکی۔"

تمھاری طبیعت واقعی ٹھیک نہ تھی۔ کئی دن جب پھر تم غائب رہیں تو میری تشویش بڑھ گئی۔ میں نے ساجدہ سے تمھارے نام ایک خط لکھوایا۔ ایک کونے پر لکھ دیا کہ جواب ضرور دینا طبیعت کیسی ہے؟

تم نے جواب نہیں دیا۔ زبانی کہلوادیا کہ طبیعت اب ٹھیک ہے۔

اس بات سے میں اتنا مایوس ہوا کہ میں نے فیصلہ کرلیا اب کبھی تمھیں فون نہیں کروں گا ــــ تمھارے گھر جانا تو ویسے ہی ناقابلِ برداشت بن گیا تھا۔

ایک دن ــــ دو دن ــــ کئی دن گزرے اور میں اپنے عہد پر قائم رہا۔ ہر روز میں انتظار کرتا کہ شاید تمھارا فون آئے۔ کسی طرح معلوم ہو کہ تمھیں میری ناراضگی کا علم ہے۔

کچھ نہیں ہوا۔

میں دن گنتا رہا ــــ اب چھ دن ہوگئے۔ اب سات دن ہوگئے۔ یونیورسٹی جانے کیلئے سوچتا ہمت نہ پڑتی۔ یہ سوچ سوچ کر جسم جلنے لگتا کہ آخر تم مجھے فون کیوں نہیں کرلیتیں۔

پندرہ دن میرا عہد کامراں رہا ــــ پھر میں نے اسے توڑا ــــ تمھیں فون کیا۔

تم نہیں ملیں۔

ہر روز دو دو تین تین بار فون کرنے پر بھی تمھارا پتہ نہ چلا۔

لیکن مایوسی کی یہ پہلی منزل تھی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا مجھے اس پر اب تک یقین نہیں آتا۔ اپنی زندگی کی سب سے بڑی موت کے بیان میں اگر میں غیر معمولی اختصار سے کام لوں گا تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں اپنے تصوّر میں بھی اسے تفصیل سے دہرانے کی ہمت نہیں رکھتا۔

میں نے فون کیا۔ تم نے اُٹھایا۔

"ہیلو۔" تمھاری آواز آئی۔

"میں اعظم بول رہا ہوں۔"

تم خاموش رہیں۔

"سلیم ہیں ــــ ؟"

تم خاموش رہیں۔

میں نے اپنا مخصوص غلط نمبر بتایا۔
تم اب بھی خاموش رہیں۔
"ثروت ——" میں نے تنگ آکر کہا —— "ثروت ——"
تم نے کچھ نہ کہا اور ریسیور رکھ دیا۔
میں نے اسی وقت دوبارہ فون کیا۔
تم نے پھر بغیر کچھ کہے ریسیور رکھ دیا۔
دوسرے دن —— ایک ہفتہ —— پندرہ بیس دن تک یہی ہوا۔ اگر تم فون اٹھاتیں تو جواب دیئے بغیر بند کر دیتیں۔ بار بار فون کرتا تو ریسیور الگ رکھ کر باقاعدہ انگیج کر دیتیں۔

میں کس کس طرح تنگ ہوا۔ تمھیں کچھ کہنا چاہئے تھا۔ کچھ بھی —— یہ کہ تم مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتیں۔ یا یہ کہ تمھارے ساتھ کیا ہوا ہے —— کچھ تو کہتیں —— تمھاری خاموشی نے تو معاملہ کو بے حد پُراسرار اور تکلیف دہ بنا دیا۔

میں نے ظریف کو بتایا۔ اس نے طرح طرح کے جواز ڈھونڈے۔ اس پر وہ کسی طرح یقین نہیں کر سکتا تھا کہ مجھ سے بات نہ کرنا اکیلے تمھارا فیصلہ ہے۔ اور اس پر کہ تم کبھی بھی کسی اور کی بھی ہو سکتی ہو۔
میں نے ساجدہ کو بتایا۔ وہ کہنے لگی کہ خود تم سے اس سلسلہ میں بات کریگی۔ بڑی مشکل سے اسے روکا۔
میں یونیورسٹی گیا معلوم ہوا کہ تم نہیں آئی ہو۔ یہ دسمبر کے مہینوں کی ابتدائی تاریخوں کی بات ہے۔ اس کے بعد تم کئی دن تک یونیورسٹی نہیں گئیں۔
میں تمھیں فون کرتا اور تم اٹھاتیں تو بغیر کوئی بات کئے رکھ دیتیں۔
ایک بار صفیہ سے میں نے کہا وہ تمھیں بلا دے۔ اسنے بتایا کہ تم اپنے پھوپھا کے گھر گئی ہو۔
ہر گزرے ہوئے دن کے ساتھ میری پریشانی بڑھتی گئی۔ پتہ نہیں تمھیں کیا ہو گیا تھا۔ طرح طرح کے خیال تنگ کرتے تھے۔ کیا کیا نہ کرنے کے ارادے باندھتا تھا۔
کچھ دوستوں کی رفاقت نے تھوڑا بہت سہارا دیا۔ میری شاعرانہ طبیعت اور روایتی داخلیت پسندی

نے بہت کچھ چھپایا۔ ایک صاحب اکثر مجھے کلفٹن لے جاتے اور میں سی بریز کی نیم تاریکی میں ان کے جانے بغیر اپنی نم آنکھیں جھپکایا کرتا۔

مجھے بالکل ابتدا سے کسی ایسے ہی حادثے کا خوف تھا۔ غیر شعوری طور پر شاید یقین تھا اسی لئے تو میں اتنا بے قرار ہو کر تم سے ملا کرتا تھا۔ ہماری ہر ملاقات آخری ملاقات تھی۔ ہر لمس الوداعی تھا۔ جتنی بار میں تم سے ملا ہوں۔ میں نے جدا ہونے کا دکھ برداشت کیا ہے۔ اور یہی اندیشہ مجھ سے بار بار کہلواتا تھا۔ ثروت۔۔۔ خواہ کچھ ہو جائے وعدہ کرو تم اچانک نہیں کھو جاؤ گی۔۔۔ تم کوئی بات مجھ سے چھپاؤ گی نہیں۔۔۔ تم کبھی مجھ سے یوں الگ نہ ہو گی کہ ہم بات بھی نہ کر سکیں۔

اور اب یہ ہوا تھا کہ تم فون اُٹھاتیں بھی تو کوئی بات نہ کر پاتیں۔ 'ہوں' یا 'ہاں' تک نہیں۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔

مجھے پاگل ہو جانا چاہئے تھا۔ تمھیں تو اپنی قوتِ برداشت پر ناز ہے۔ تم یہ کیسے جان پاؤ گی کہ میں کن انگاروں پر سے گزر رہا ہوں۔

میں ایک جذباتی مریض بن گیا۔ مجھے بند جگہوں پر بیٹھا نہ جاتا۔ سردی کے باوجود میں ضد کر کے برآمدے میں سوتا۔ کمرے میں دم گھٹتا تھا۔ آسمان دیکھ کر کچھ سہارا ہوتا تھا۔

ہر لمحہ یہ ڈر لگا کرتا تھا کہیں مجھے نروس بریک ڈاؤن نہ ہو جائے۔ ایک شام میں یونہی ایک سینما ہال میں جا بیٹھا۔ فلم کا نام یاد نہیں۔ وہاں بیٹھے بیٹھے مجھے ایسا لگا جیسے میں ابھی بیہوش ہو جاؤں گا۔ یہ خیال آیا لوگ مجھے گھر کیسے پہنچائیں گے۔۔۔؟ میری ڈائری میں پتہ ہے یا نہیں۔۔۔ کیسی کیسی باتیں مشہور ہوں گی۔

دعائیں مانگ مانگ کر اپنے آپ کو سنبھالا۔

یہ میری کمزوریاں ہیں اور ان کا مجھے اتنا احساس تھا کہ بہت جلد وہ دور آگیا جب مجھے اپنے آپ سے نفرت سی ہونے لگی۔ میرا آدھا وجود اپنے دوسرے حصے سے اس لئے نفرت کرنے لگا کہ وہ تم سے اتنی محبت کیوں کرتا ہے۔۔۔ تم سے، جسے اس کا کوئی خیال نہیں۔

ایک بات ہے ثروت۔۔۔ جب یہ لہریں کنارے پر اپنا سر ٹیک کر ریت میں جذب ہو چکیں گی (گو وقت

اچھا ہم نہیں) اور یہ باتیں محفلوں کے لطیفے بنیں گی۔ تب بھی میں کس کے یقین کے ساتھ کہوں گا کہ میں نے
تم سے محبت کی تھی۔ شدید ترین محبت ــــ بچوں جیسی ــــ خداؤں جیسی ــــ پاگلوں جیسی ــــ
ناسمجھ، عظیم اور بے پناہ ــــ

دفتر کی طرف سے اکثر تقریبات میں جانا پڑتا تھا۔ وہاں بھی میرا دل نہ لگتا۔ لوگوں سے ملنا پڑتا تو بمشکل
رسمی جملے اگلتا۔ ہالی وڈ کے ایک جرمن اداکار کا انٹرویو مجھے یاد آتا ہے۔ جس سے ملنے کا موقعہ بڑی دشواریوں کے
بعد ملا تھا۔ اس نے مجھے صرف چند منٹ دیٔے تھے۔ پھر وہ میٹروپول کے لاؤنج میں ایک گھنٹہ سے زیادہ میرے
پاس بیٹھا رہا۔ اسنے میرا انٹرویو لینا شروع کر دیا۔ میں اپنے سیدھے ہاتھ کی انگلیوں سے تمہارا دیا ہوا چھلا گھما
رہا تھا۔ اس نے پوچھا کیا اس کا تعلق میری منگنی سے ہے ــــ میں نے اسے بتایا۔ یہ بات اسکی سمجھ سے باہر تھی
کہ جب ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں تو ہماری شادی کیوں نہیں ہو سکتی ــــ اس نے تمھارے لئے ایک
پیغام بھی دیا تھا۔ اس بات پر مبارکباد کہ میں تمھارا محبوب ہوں۔

یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ تمھیں کیا ہوگیا۔ تم دوسروں سے باتیں کرتیں۔ یہ بھی اطلاع ملی کہ
تم ٹھیک ہو اور گھر کے حالات میں کوئی غیر معمولی تبدیلی نہیں ہوئی۔ پھر بھی میرے سوال جواب سے محروم تھے۔

آخر یہی میری سمجھ میں آسکا کہ میں سلیم کو اپنا رازدار بنالوں۔

میں ایک شام اسے "سی برز" لے گیا۔ پکے فرش پر ہم سب سے کونے والی میز پہ بیٹھے۔

"کہو ــــ" اس نے کہا۔

میں لفظ ڈھونڈتا رہا۔ لگا یہ کام کچھ ایسا آسان بھی نہیں ہے۔ میں نے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کیں۔
ایسے ہر موقعہ پہ انگریزی بول کر کچھ بتایا یا چھپائی جا سکتی ہے۔ میں نے ادھورے جملوں سے ابتدا کی۔

"تم بغیر میرے کہے کیوں نہیں سمجھ لیتے۔"

"کیا ــــ"

"جو میں کہنا چاہتا ہوں ــــ تم جانتے ہو ــــ؟"

"نہیں ــــ بتاؤ ــــ"

بڑی مشکلوں کے بعد میں نے ابتدا کی۔ شروع سے جو کچھ ہوا تھا بے ربط اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں اسے بتایا۔ وہ سر جھکائے سنتا رہا۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو ۔۔؟" اسنے دھیرے سے محبت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں ۔۔۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔ میں نے اسے بتایا میں تمھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا۔ نہ میری خاطر تمھارے خاندان کے اصول توڑے جائیں۔ لیکن جو بات مجھے کھائے جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ تم نے اچانک اپنا رویہ کیوں بدل لیا ہے۔ مجھے ڈر تھا کہیں اسکے پیچھے کوئی حادثہ یا واقعہ نہ ہو۔

"تمھیں معلوم ہے ایسا کیوں ہوا ہے۔ وہ مجھ سے بات کیوں نہیں کرتی ؟"

اسنے بتایا کہ اسے کسی خاص وجہ کا علم نہیں لیکن تم پچھلے دو ہفتوں سے بہت پریشان اور غمگین تھیں۔ تمھاری طبیعت اکثر خراب رہتی تھی۔ سارے لوگ متفکر تھے۔ تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ تم نے یونیورسٹی جانا چھوڑ دیا تھا۔ اور کہتی تھیں کہ اب تم نہیں پڑھو گی۔ سلیم تمھیں سمجھایا کرتا تھا۔ تم کسی کی بات نہ مانتیں۔ تمھاری سلیم سے ایک جھڑپ بھی ہوئی تھی۔

لیکن اب تم تقریباً ٹھیک تھیں اور اسی صبح سے تم نے یونیورسٹی جانا شروع کر دیا تھا۔

ہم دونوں گھنٹوں باتیں کرتے رہے۔ میں نے اسے تاکید کر دی کہ وہ تمھیں یہ نہ بتائے کہ وہ تمھارا راز جانتا ہے۔ ہم دس بجے کے قریب کلفٹن سے صدر تک پیدل آئے۔ تمھارے متعلق بہت سی باتیں ہوئیں۔

"اگر وہ یہ چاہتی ہے تو میں اُس سے کبھی نہیں ملوں گا ۔۔۔ اُسے اپنی قوتِ برداشت بڑھانا ہے اور میں بھی جیسے تیسے جی لوں گا لیکن یہ ۔۔۔ یہ جو وہ کر رہی ہے۔"

سلیم کو تم پر غصہ تھا ۔۔۔ اس لئے بھی کہ تم نے اسے یہ بات پہلے کیوں نہ بتائی۔ جب کہ تم دونوں کے تعلقات اس قسم کے تھے۔ میں نے اسے اپنے پیار کی چھوٹی بڑی بہت سی باتیں بتائیں۔ اس کتاب کے بارے میں، جس میں میں اپنے پیغام رکھا کرتا تھا۔

"مجھے بتاؤ وہ کونسی کتاب ہے۔ میں اسے کبھی ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا ۔۔" اس نے کہا۔

دو تین روز میں نے تمھیں فون نہیں کیا۔ لیکن تم سے بات بہر حال کرنا تھی۔ ایک شام میں نے فون کیا تو صفیہ تھی۔ میں نے تمھیں بلانے کے لئے کہا۔ معلوم ہوا تم یونیورسٹی سے تھکی ہوئی آئی تھیں اور سو رہی ہو۔

دوسرے دن پھر میں نے صفیہ سے تمھیں بلا دینے کی درخواست کی۔ تم آئیں۔

"ثروت ـــــ" میں نے تھرتھراتی آواز میں تمھیں پکارا۔ "ثروت۔"

"جی ــــ" آہستہ سے۔

"ثروت تمھیں کیا ہو گیا ہے ــــ؟"

"کچھ نہیں۔"

"تم نے کوئی فیصلہ کیا ہے؟"

"نہیں۔"

"مجھ سے بات کیوں نہیں کرتیں۔"

"کل کروں گی۔"

"تم نہیں کرو گی۔"

"اچھا نہیں کروں گی ــــ خدا حافظ۔"

"خدا کے لئے رکو ــــ ٹھہرو۔"

"کل ــ" تم نے فون رکھ دیا۔

اور دوسرے دن پھر تم نے بغیر بات کئے فون رکھ دیا۔ اپنے اندر سلگ سلگ کر میں نے اپنی طبیعت خراب کر لی۔ دو دن میں بستر پر پڑا۔ ایک سہ پہر ساجدہ بہت گھبرائی ہوئی کالج سے آئی۔ اس نے وہ روح فرسا خبر سنائی۔

تم بزم ادب کی کوئی عہدہ دار ہو گئی تھیں اور بہت جلد ہونے والے یونیورسٹی کے سالانہ فنکشن میں ایک ڈرامہ میں حصہ لے رہی تھیں۔

پتہ نہیں میری رات کیسی گزری۔ کسی تصوّر، کسی خیال نے میرا ساتھ نہ دیا۔ اپنے ہوش و حواس قابو میں رکھنے کی زبردست جدوجہد کی ـــ میں نے سوچا میں خدا پر یقین کرنے لگوں گا اگر وہ میرا سہارا بنا۔ میں ہر اس چیز پر ایمان لے آؤں گا جو مجھے سکون دے سکے۔ میں اپنی روح ابلیس کو بیچ دوں گا اگر وہ اسکے عوض مجھے اس جہنم سے نجات دلا دے۔ کوئی مجھے بچا لے اس سے پہلے کہ میں اپنے آپ پر سے اختیار کھو دوں اس سے پہلے کہ مجھے کچھ ہو جائے ـــ میں کوئی حرکت کر بیٹھوں۔ کوئی مجھے اس پانی جیسے کالے اندھیرے نکال لے جائے۔ جس نے مجھے درمیان میں معلّق کر رکھا تھا۔

صبح بخار میں تپتا ہوا میں یونیورسٹی گیا۔ تمھاری کلاس ہو رہی تھی اور تم سب سے آگے ہاتھ پر چہرہ رکھے بیٹھی تھیں۔ میں باہر تمھارا انتظار کرتا رہا۔ تمھارا پیریڈ ختم ہوا تو تم ایک لڑکی کے ساتھ باہر نکلیں میں تمھاری طرف بڑھا۔ تم مجھے دیکھ کر رکیں۔ تیزی سے میری طرف آئیں۔

"خدا کے لئے یہاں سے چلے جاؤ۔"

میں نے کہا۔" مجھے بتاؤ تمھیں کیا ہو گیا ہے ـ صرف اتنا ـــ"

تم نے میری بات کاٹ دی ـــ" یہاں سے چلے جاؤ۔ میں ساجدہ کو بتا دوں گی۔"

اور تم مڑ کر چلی گئیں۔ میں اکیلا وہاں کھڑا رہ گیا۔

گھر آ کر میں نے تمھارے نام ایک خط لکھا۔ میں نے تمھیں اپنی محبت کے واسطے دئے۔ میں نے لکھا ہر بات مجھے منظور ہے۔ تم جو چاہے کرو۔ صرف مجھے بتا دو تم نے کیا سوچا ہے۔ جواب دے دو۔ میں نے اس میں تمھاری اتنی منتیں کی تھیں اور ہاتھ جوڑے تھے کہ مجھے یقین تھا کہ اگر تمھیں مجھ سے ذرا سی محبت ہے تو تم اسی وقت مجھے جواب دوگی۔ کسی نہ کسی طرح مجھ تک اپنی بات پہنچاؤ گی۔

اپنے آپ کو میں اتنا کبھی نہیں گرا سکتا۔ جیسا اس خط میں میرا رویہ تھا۔ اسے پڑھ کر شاید دنیا کی تمام عورتیں تم پر رشک کرنے لگیں کہ کوئی تم سے اتنی محبت کرتا ہے۔ نہ جانے اس میں کیا کیا تھا۔ تمھارے شعر تھے پرانی ملاقاتوں کے حوالے تھے۔ اپنی ہر اس خامی کا اعتراف تھا جو کبھی مجھ میں نہ تھی۔

شام کو میں سلیم کے پاس گیا۔ اسے بتایا کہ میں تمھارے لئے خط چھوڑنا چاہتا ہوں۔ اس لئے وہ

میرے ساتھ باہر چلیے — میں نے وہ خط کتاب میں رکھا۔ یہ لکھا کہ تم اسی وقت کوئی جواب چھوڑ دو — ہم کیفے سعید میں جاکر بیٹھے جہاں سلیم مجھے دلاسے دیتا رہا۔

میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ ہاتھ کسی چیز کو مضبوطی سے تھام نہیں سکتے تھے۔ کافی دیر بعد میں نے سلیم سے گھر چلنے کے لئے کہا۔ یہاں تم خط لے چکی تھیں۔ لیکن جواب ندارد تھا۔

دوسرے دن میں پھر تمھارے گھر گیا۔ اپنے پتہ کا لفافہ اور ایک اور خط تمھارے لئے چھوڑا۔

دو تین دن گزر گئے۔ تمھارا کوئی جواب نہ ملا۔

میں نے فون کیا — شاید تم تھیں۔ بس ریسیور اٹھایا اور دوبارہ رکھ دیا۔ بار بار یہی ہوا۔

اتوار — دسمبر تم سے بات ہوئی۔ میں نے فون کیا۔

"ذرا ثروت کو بُلا دیجئے —" میں سمجھا صفیہ ہے۔

"میں بول رہی ہوں۔"

"ثروت — تمھیں کیا ہوگیا ہے۔؟"

"کچھ نہیں۔"

"مجھ سے بات کیوں نہیں کرتیں۔"

"اب میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گی۔"

میں رکا — میں نے سہارا لیا۔ جہاں سے میں نے فون کیا تھا وہاں خوش قسمتی سے کوئی نہ تھا۔

"کیوں —؟"

"بس۔ میری مرضی۔"

میں نے بہت چاہا کہ تم کوئی بات کرو۔ مجھے بتاؤ کہ کیا بات ہوئی ہے۔ لیکن تم نے صرف یہی دُہرایا کہ اب تم مجھ سے کبھی بات نہیں کروگی۔ کبھی نہیں ملوگی۔ روز یونیورسٹی جاؤگی۔ جو جی چاہے گا کروگی۔ ہم دونوں کا اب کوئی تعلق نہیں ہے — میں تمھارے سارے وعدے بھول جاؤں۔ تم نے اپنی زندگی میں یہ سب سے بڑا گناہ کیا تھا جو تم مجھ سے ملی تھیں۔

میں نے تمھیں بتایا کہ میں سلیم کو اس راز سے آگاہ کر چکا ہوں۔

"تم اپنے امتحان میں پورے نہیں اُترے۔"

تمھاری آواز کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ لیکن یہ تم تھیں ـــ یہ تمھارا فیصلہ تھا کہ اب مجھ سے کبھی نہیں ملوگی۔ تمھارے انداز میں محبت، نفرت، بے رخی، استقلال ـــ سب چیزوں کا سمجھ میں نہ آنے والا مرکب تھا۔

"خدا حافظ ـــ" تم نے کہا۔

"ہمیشہ کے لیے۔؟"

"ہاں۔"

"ثروت ـــ پلیز ـــ مجھ سے کچھ باتیں ہی اور کر لو۔"

"نہیں ـــ خدا حافظ۔"

تم نے فون رکھ دیا ـــ میں سوسائٹی کے دفتر سے یہ فون کر رہا تھا۔ میں باہر آیا۔ بس کے اڈے پر لوگ تھے۔ رکشائیں کھڑی تھیں۔ ہر چیز ویسی ہی جیسی ہوا کرتی ہے۔ میں ایک بالکل نیا احساس اپنے اندر رینگتا محسوس کر رہا تھا۔

یہاں سے وہ کہانی شروع ہوتی ہے جو میں تمھیں نہیں سناؤں گا۔ پھر کیا ہوا اس سے تمھیں کوئی سروکار نہ ہونا چاہیے۔ حالانکہ اپنے آپ سے صلح کرنے کی یہ خوں ریز جنگ تم سے ملتے رہنے کی کہانی سے طویل، پر پیچ اور واقعات سے پُر ہے لیکن میں یہاں رک جانا چاہتا ہوں۔

اس کے بعد فون پر تم سے تین بار اور باتیں ہوئیں۔

پہلی بار ایک ماہ بعد ـــ میں نے تمھارا حال پوچھا۔ تم نے کہا تم اچھی ہو۔

دوسری بار میں تم سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ میں نے تمھیں فون کیا۔ صفیہ نے تمھیں بلایا۔ تم آئیں۔ مگر میں کچھ نہ کہہ سکا۔

تم سے آخری بار اسی سال ـــ فروری کو ملاقات ہوئی۔

تمھاری رنگا رنگ معروفیات اور مقبولیت کی خبریں کچھ اتنا تنگ کرتی تھیں کہ دنوں ایک پل سویا نہ جاسکتا تھا۔ کبھی معلوم ہوتا تم کسی ڈرامہ کی ہیروئن بنی ہو۔ کوئی اطلاع دیتا تم نے بزم ادب میں غزل پڑھی تھی۔ تم مختلف تقریبات کی استقبالیہ کمیٹی میں شامل ہوتیں۔ ایک واقف نے بتایا اس کے پاس تمھاری کئی تصویریں ہیں۔

میں نے ساجدہ سے، ظریف سے، سلیم تک سے کہہ دیا تھا کہ کوئی میرے سامنے تمھارا ذکر نہ کرے تمھاری یہ خبریں سنکر مجھ سے سنبھلنا بہت مشکل ہو جاتا تھا۔

آخری گفتگو میں میں نے تم سے استدعا کی تھی کہ تم یونیورسٹی کے ہنگاموں میں اس قدر حصّہ نہ نہ لو کہ میں تمھیں بھولنے کی کوشش نہ کر سکوں۔ اس دن تم سے بہت باتیں ہوئیں۔ کچھ اس افسانے کے کردار کی طرح جس کے بارے میں تم سے میں نے شروع میں بات کی تھی تم نے مجھ سے تقریباً اپنی نفرت کا اظہار کیا۔ کہا میں بچہ ہوں۔ میں باتیں سمجھتا نہیں —— تم بہت سمجھدار ہو —— نفسیات جانتی ہو —— تم نے مجھے طعنہ بھی دیا تھا کہ میں زندہ کیوں ہوں —— میں نے خودکشی کیوں نہ کرلی۔

یہاں تم نے صلیب گاڑدی۔

تو ڈیر ثروت سلطانہ —— یہ اختتام ہے —— تم خود جانتی ہو کہ کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی۔ تمھیں اس کہانی کے بہت سے پہلوؤں کا علم ہے۔ جو باتیں ساتھ ساتھ ہوئیں۔ بعد میں ہوتی رہیں میں نے ان صفحات سے پرے رکھی ہیں۔ بہت سی باتیں میں نے تم سے اب تک نہیں کہی ہیں۔ اب کہنا بھی فضول ہے۔

مجھے اس کا اتنا دکھ نہیں کہ میں نے تمھیں کھو دیا۔ بہت سی لڑکیاں اب بھی میرے لئے گھر چھوڑ سکتی ہیں۔ میرا المیہ یہ ہے کہ جس چیز کو میں نے اپنا مذہب جانا تھا وہ جھوٹی نکلی —— میرا خدا پتھر کا تھا۔ میں محبّت کے سہارے اپنی خامیوں کی نفی چاہتا تھا۔ محبت میرا فریب تھا، جسے دانستہ میں نے تاروں کی مالا پہنائی تھی۔

اور ثروت۔ تمھیں بتاؤں میں نے خودکشی کیوں نہیں کی ؟۔ ؟ اگر میں تمھارے چلے جانے کے بعد کی کہانی سناؤں تو اس میں مرجانے کی سچی کوششوں کا ذکر آئے گا۔ لیکن میں مرتا تو کس لئے۔ ؟ تمھارے لئے۔ ؟ اور پھر ڈیریسٹ پی ہماری موت تو قسطوں میں ہوتی ہے جب بھی ہم کسی کو خدا حافظ کہتے ہیں ہمارے وجود کا ایک حصہ مرجاتا ہے۔

اور اب میں تمھیں خدا حافظ کہتا ہوں۔

اب اس کہانی کو ختم ہو جانا چاہئے لیکن ٹریجڈی تو یہ ہے کہ للے کی کہانیاں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ کبھی نہیں ــــ میں ساری زندگی تم سے الگ رہونگا۔ تمھارے گھر نہیں جاؤں گا۔ تمھیں فون نہیں کروں گا۔ کسی ایسی جگہ کا راستہ نہ دیکھوں گا جہاں تمھارے موجود ہونے کا امکان ہو۔ پھر بھی ــــ پھر بھی یہ کہانی اپنے روپ بدلے گی۔ اپنے رخ بدلے گی ــــ یہ کہانی کبھی ختم نہیں ہوگی۔

پرنٹر، پبلشر مسعود احمد نے عبدالمجید صاحب مالک اسرار کریمی پریس جانسین گنج الہ آباد سے چھپوا کر دفتر "فسانہ"، دائرہ شاہ اجمل الہ آباد ۳

ـــــــــ : سے شائع کیا : ـــــــــ